

ہر مزے پر مقدم تھی۔

فہد اسے تھوڑی دیر پہلے نانو کے ہاں چھوڑ گیا تھا، یہاں آنے پر پتہ چلا کہ ان کی دوائیں ختم ہو گئیں ہیں، اب آگے اتنی لمبی رات آرہی تھی، ابھی چند ہفتے پہلے ہی انہیں ہارٹ ایکٹ ہوا تھا، اگلی صبح دوائیں لینے کا رسک ارا نہیں لیتا چاہتی تھی، ڈرائیور بھی سہ پہر کو اپنے گھر چلا گیا

آسمان گہرے سرمئی اور کالے بادلوں سے کچھ یوں گھرا تھا کہ پانی بس ان سے پھٹک پڑنے کو تیار کھڑا تھا، یوں تو ایسے مواقع ارا ہرگز نہیں گنوا کر تھی، بارش کی ایک ایک بوند سے لطف اٹھانے کا تو مزہ ہی الگ تھا لیکن فی الوقت جذبات پر قابو پانا بھی بہت ضروری تھا، آخر کو وہ اپنی نانی کی فرمائیدار تو اسی تھی اور نانی کی خدمت

## ناولٹ

تھا، نانو امی اس سے دوا میں منگوانا بھول گئی تھیں، اس بات پر بھی ارا کو کافی غصہ آیا کیونکہ نانو دوا وغیرہ کے معاملات میں بالکل بچوں کی طرح لا پرواہ تھیں اور شدید تپ چڑھی اس نے مہمان پر، مطلب منصور ولا میں آنے والا مہمان، ماموں کی گاڑی لے کر جو صبح سے گیا تو شام ہونے کو آئی واپس آنے کا نام نہیں لے رہا تھا اور اس کا نام بھی ارا مٹھنے کو رکھی۔

”اللہ جانے نام کیا ہے، یعنی حد ہوگئی، یہ بھی کوئی شرافت ہے، نانو امی نے اپنے گھر رہنے کی اجازت کیا دی، ہاتھ پاؤں پیار کر لیا ہی ہو گیا۔“ اس نے ایک ان دیکھے، انجانے شخص پر دل ہی دل میں غصہ نکالا جس کے متعلق فریال نے فون پر بتایا تھا، پرس میں نسخہ اور پیسے ڈال کر وہ گیٹ سے باہر نکل آئی، عظمت بوا اور نانو بکارتی رہ گئیں کہ موسم خراب ہے اکیلی مت جاؤ، لیکن اس نے ایک نہیں سنی۔

یوں تو فارمیشی دیکھی بھالی تھی اور راستہ بھی





”آپ ارمانیں ہیں تو میں جاؤں؟“  
عاجزی سے درخواست کی گئی۔

”آ..... آپ..... کون۔“ وہ گھبرا کر  
پچھے ہٹی۔

”میں مبین علی ہوں، مجھے آپ کی نانی اوی  
مطلب خدیجہ آئی نے بھیجا ہے بشرطیکہ آپ ارما  
ہی ہوں۔“ لڑکے نے رساں سے وضاحت کی۔

”تو یہ ہے وہ نیا مہمان۔“ ارما بنا کچھ  
بولے گاڑی کی طرف بڑھ گئی، مزید کسی ثبوت کی  
ضرورت نہیں تھی کیونکہ منصور ماموں کی گاڑی وہ  
پہچان گئی تھی۔

”آپ کچھ دیر ویٹ کر لیتیں تو میں خود  
دوائیں لے آتا، تاق آپ کو تکلیف اٹھا  
پڑی۔“

”مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔“ ماتھے پر ہاتھ  
ڈالے وہ باہر دیکھنے لگی۔

مسکراہٹ دبا کر مبین نے ایک نظر اس کے  
بالوں سے گرتے پانی کے قطرہوں پر ڈالی اور مزید  
کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کر کے گاڑی کی اسپر  
بڑھا دی۔

☆☆☆  
”چلیں مام..... آئی ایم ریڈی۔“  
موبائل فون اور گاڑی کی چابیاں پیٹ کی جیبوں  
میں پھنساتا عجلت میں سیڑھیاں اترتا اور رابعہ  
بے ساختہ محسن کی طرف دیکھا۔

”وہ سعد بنی! اچھو نکلی تمہارے ابا نے فون  
کر کے اعظم بھائی سے آنے کی معذرت کر  
لی ہے۔“

”اور نیلی۔“ سعد نے خیرت سے باپ  
دیکھا۔

”باہر موسم بہت خراب ہے ہنسی، بارش آ  
اچھی خاصی تیز ہو چکی ہے اب ایسے میں نکلنا کا

مختصر تھا لیکن بیدل اکیلی جانے کا اتفاق آج پہلی  
مرتبہ ہو رہا تھا، اب اللہ جانے یہ پہلی مرتبہ بیدل  
جانے کا اثر تھا یا موسم کی ہولناکی کہ اسے ہرگز  
راستہ مختصر نہیں لگ رہا تھا، ابھی چوراہے تک پہنچنا  
تھا پھر وہاں سے دائیں مڑنے پر غالباً اٹھارویں یا  
بیسویں دکان تھی، جو کئی وہ چوراہے سے مڑی تاہم  
توڑ بارش کا جیسے شاور چل گیا، وہ بنا کہیں رکے  
تیزی سے آگے بڑھتی گئی اور فارمیسی پہنچ کر ہی دم  
لیا، مطلوبہ دوائیں ایک ہی جگہ ہی مل گئیں لیکن  
بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی، وہ بار بار  
دکان کی سیڑھیاں اترتی لیکن بارش کا زور دیکھ کر  
دو قدم پیچھے ہٹ جاتی۔

”کچھ دیر انتظار کر لیں بی بی، بارش ابھی  
رک جائے گی۔“ شاپ والا لڑکا سنجیدگی سے  
مشورہ دے کر شرافت سے رجسٹر پر جھک گیا، ارما  
سر ہلا کر باہر دیکھنے لگی، بارش کی تیزی میں تو واقعی  
کئی آگئی تھی لیکن اندھیرا خاصا بڑھ گیا تھا، ذرا سی  
دیر میں سڑک بھی ویران لگنے لگی تھی، شہر بھر کے  
رکشے ٹیکسیاں بھی نجانے کہاں جا چکے تھے، بیدل  
جانے کا رسک اب وہ نہیں لے سکتی تھی، بارش  
دوبارہ تیز ہو سکتی تھی، وہ سیڑھیاں اتر کر اب  
سڑک کنارے آکھڑی ہوئی اور ہاتھ کا چھچکا بنا کر  
کوئی رکشہ ٹیکسی دیکھنے لگی، بھی ایک تیز بیڈ لائٹ  
سیدھی آنکھوں میں پڑی اور کوئی گاڑی عین اس  
کے سر پر آکر رکی، ارمانے تیز روشنی کی وجہ سے  
بے ساختہ آنکھیں بند کر لیں، ٹھک کر کے گاڑی کا  
دروازہ بند ہوا اور قدموں کی چاپ۔

”ایکسکیوز می، آپ ارما رباب ہیں؟“  
کان کے قریب ایک بھاری مردانہ آواز گونجی تو  
اس نے پلٹیں اٹھائیں، سیاہ کالی آنکھوں اور  
کھڑی ناک والا اونچا لمبا وہ بینڈم لڑکا یقیناً اسی  
سے مخاطب تھا۔

دیا بلکہ رابطہ کرنے میں پہل بھی کی، میں ان کا یہ  
احسان بھی فراموش نہیں کر سکتا۔“ محسن خود کلاسی  
کے انداز میں کہتے چلے گئے اور رابعہ خاموشی سے  
انہیں سنتی رہی۔

☆☆☆

مبین نے شرٹ کے بٹن بند کیے اور کف  
نکس لگاتے کمرے سے نکل کر بالکنی میں آیا،  
رات کی بارش کا اثر تھا کہ صبح بہت دھلی دھلی اور  
حسین لگ رہی تھی، بالکنی کے عین نیچے لان تھا،  
سبزے اور رنگ رنگ کے پھولوں کے بیچ سب  
سے خوبصورت منظر وہ تھا جسے دیکھتے ہی مبین  
ٹھنک کر رک سا گیا، وہ رات والی لڑکی نیلے رنگ  
کے ڈریس میں اپنے کھلے لمبے بال دائیں شولڈر  
پے ڈال کر پھول پھنسنے میں لگ رہی تھی، گلابی رنگت،  
دھوپ کی تمازت سے سنہری چمیلی سی لگنے لگی  
تھی۔

”کیا بھلا سا نام تھا؟“ وہ ذہن پر زور  
دینے لگا۔

”رملہ، نیلما، عمارہ، او ہاں ارما۔“ مبین  
نے ہلکے سروں میں شوخ سی سیٹی بجائی اور اپنا  
ضروری سامان جلدی جلدی ہاتھوں میں لے کر  
تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا، دل و دماغ پر  
ایک ہی دھن سوار تھی کہ پارکنگ پہنچتے تک کہیں وہ  
لان سے چلی نہ جائے، اسے قریب سے دیکھنے کی  
خواہش اس وقت ہر بات، ہر کام پر حاوی تھی،  
لیکن اس جذبے کا دورانیہ نہایت مختصر ثابت ہوا،  
آخری سیڑھی تک پہنچتے سوچ کے دھارنے نے  
جیسے اسے گہری نیند سے جگایا اور ایک نخت اس  
کے چہروں کو بریک لگی، فطری شریفانہ سوچ  
ایک دم عود کر آئی، وہ یہاں جس مقصد اور نیت کے  
تحت آیا تھا اس میں کہیں ایسی شوخیوں کی گنجائش  
نہیں تھی، اس نے تھوڑی دیر پہلے کی جذباتیت کو

عجب سا لگے گا۔“ اعظم بھائی بھی سمجھ رہے تھے  
اس کی بات کو، انہوں نے بالکل برا نہیں مانا، کہہ  
رہے تھے آپ کا اپنا گھر ہے جب دل چاہے آ  
جائیں، محسن نے نرم لہجے میں وضاحت دی۔

”لیکن بارش میں ڈرائیو کر کے جانے کا تو  
اپنا ہی حرا ہے، یقیناً آپ نے منع کیا ہوگا۔“ اس  
نے مسکرا کر ماں کی طرف دیکھا تو رابعہ جھینپ  
گئی، دونوں باپ بیٹا خوب جانتے تھے کہ بادلوں  
کی گھن گرج اور برستی بارش سے اسے کتنی  
گھبراہٹ ہوتی تھی۔

”اٹس اوکے، کل کارو گرام رکھ لیتے ہیں،  
میں ابھی چینیج کر لیتا ہوں، کچھ نئے پیچھے  
فائلز دیکھتی تھیں، وہ چیک کر لیتا ہوں، مام آپ  
ایک کافی بیچ دیں میرے روم میں۔“ وہ قدرے  
باپوس سا واپس پلٹ گیا۔

”کتنا خوش تھا آج سعد۔“ محسن نے محبت  
سے جاتے ہوئے سعد کی پشت کو دیکھا۔

”کیوں نہ ہو، آج برسوں بعد وہ پہلی مرتبہ  
اپنوں سے ملنے جا رہا تھا، ساری زندگی اس نے  
رشتوں سے محرومی میں گزاری ہے، جانے کتنی  
شدید خواہش ہوگی اس کے دل میں، اپنوں کے  
قریب جانے کی۔“ رابعہ نے خیرت سے آہ  
بھری۔

”اچھا کوئی بات نہیں، آج ہمارا دواں جانا  
شاید نصیب میں نہیں تھا، پھر بات اب آج باکل  
کی ہے ہی کہاں، اصل بات تو یہ ہے کہ اعظم  
بھائی نے اپنے دل اور گھر کے دروازے ہمیشہ  
کے لئے ہم پر کھول دیئے ہیں، محض ایک سال  
پہلے تک جب ابا جی زندہ تھے ہم یہ بات سوچ  
تھی کہاں سکتے تھے، یہ تو اعظم بھائی کا بڑا پن ہے  
جنہوں نے اتنا مختصر وقت لیا فیصلے میں اور ابا جی  
کی خواہش کے برخلاف ہمیں نہ صرف معاف کر



خود ہی سلانے کی سعی کی اور قدرے سست روی سے پورچ میں آیا، لان کی طرف دیکھنے سے دانستہ گریز کرتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

”ایکسیکوزی۔“ باریک نرم آواز پر مبین نے چونک کر سر اٹھایا وہ لان کی چارنٹ اونچی باڑھ کے پیچھے کھڑی پتینا اسی سے مخاطب تھی کیونکہ دیکھ بھی ادھر رہی تھی، وہ بنا کچھ بولے رک گیا اور ارماتقریباً بھاگتے ہوئے لان سے نکل کر پورچ میں آئی۔

”آپ اسی گاڑی میں آفس جائیں گے۔“ پھولی سانسوں پر اس نے بمشکل قابو پایا تھا۔  
”اُدہ تو یہی تھا لیکن ایسا کچھ ضروری بھی نہیں۔“

”وہ..... دراصل آج فریال اور میں نے مارکیٹ جانا ہے، اگر آپ کے لئے ممکن ہو تو.....“

”جی..... جی بالکل، مجھے کوئی پرالہم نہیں ہے۔“ اس نے فوراً چابی ارمائی کی طرف بڑھائی جو قدرے جھکتے ہوئے اس نے لے لی اور مبین نے قدم گیٹ کی طرف بڑھائے۔

”بات سنیں۔“ ارمانے ہچکچاتے ہوئے دوبارہ مخاطب کیا تو وہ محض مرکز دیکھنے لگا۔

”وہ نانوائی کو پتہ چلا تو مجھے بہت ڈانٹ پڑے گی۔“

”او۔“ مبین بے ساختہ ہنسا۔

”نہیں پڑے گی، میرا ایک دوست اکثر مجھے یہاں سے پک کر لیا کرتا ہے، میں کہہ دوں گا اسی کے ساتھ گیا تھا، آپ بے فکر ہیں۔“

”تھینک یو۔“ وہ خوشی سے کہتی نوراندر دوڑ گئی اور مبین جیبوں میں ہاتھ ڈالے کچھ دیر بلاوجہ ہی اس داخلی دروازے کو دیکھتا رہا جہاں سے ابھی ابھی ارماندر گئی تھی۔

”کیا وہ جذبہ واقعی محض ایک شوخی تھا۔“ ذہن نے سوال اٹھایا تو وہ سر جھٹک کر گیٹ کی طرف مڑ گیا، بنا اپنے دل کو جواب کی مہلت دیئے۔

☆☆☆

”وہ براؤن سوٹ زیادہ اچھا تھا ہے ناں۔“ ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑ کر فریال نے کافی پرسوج نظر سامنے پھیلے سرمئی سوٹ پر ڈالی۔

”تو بہ کتنا کنفیوژ رہتی ہو، گھر سے نکلنے وقت کہہ رہی تھیں، برسوں سے گرے سوٹ نہیں بنوایا اور اب مطلوبہ رنگ سامنے پڑا ہے تو براؤن پہ سوئی انگ گئی۔“ ارمانے ناراض لہجے میں شاپنگ سیمٹی۔

”میں تو نانوائی کو اپنی شاپنگ دکھانے جا رہی ہوں، تم نے اگر یہ سوٹ پیچ کرنا ہے تو نانوا کو دکھانے کی غلطی مت کرنا وہ دوسری مرتبہ ہرگز مارکیٹ نہیں جانے دیں گی۔“

پچھلے ایک ماہ سے ارما اور فریال کی ایک روٹین بن گئی تھی نانی امی کا خیال رکھنا، خدیجہ حیات کو مہینہ بھر پہلے ہارٹ ایک آتا تھا اور بروقت طبی امداد کی بدولت ان کی طبیعت سنبھل گئی تھی اب ان کی انجیو گرافی ہو چکی تھی اور وہ بیڈ ریٹ پر تھیں، شروع شروع کے دنوں میں ان کی دونوں تپٹیوں آمنہ اور نفیسہ نے خود ان کا خیال رکھا، اکلوتا بیٹا منصور بھی جہلم سے چھٹی لے کر اسلام آباد آ گیا تھا، لیکن جہاں منصور کو ایک ہفتے بعد دوبارہ ڈیوٹی جوائن کرنا پڑی وہیں آمنہ اور نفیسہ کو بھی گھر بار کی ذمہ داریوں کی وجہ سے اپنے اپنے گھر رخصت ہونا پڑا لیکن جانتی تھیں کہ اماں کو اتنے بڑے منصور ولا میں محض عظمت بوا اور ڈرائیور فرید کے حوالے کر کے چلے جانا وہ بھی ان حالات میں، اب قطعاً مناسب نہیں تھا، اماں

کی خوب منتیں ہوتیں کہ وہ ان دونوں بہنوں میں سے کسی ایک کے ہاں آٹھریں لیکن خدیجہ حیات کے لئے اپنے گھر اپنی جگہ کو چھوڑ کر جانا ہارٹ ایک سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا، بھی آمنہ نے ارما کو اور نفیسہ نے فریال کو ان کی دیکھ بھال کے لئے بھیج دیا، وہ دونوں بی بی ایس سی کے پیپرز دے کر فارغ ہوئی تھیں، کبھی دونوں ایک ساتھ نانی کے ہاں رہ جاتیں تو کبھی تین تین روز کی باریاں رکھ لیتیں، یوں بھی منصور ولا ان کے لئے ایک گھر کم اور ڈریم لینڈ زیادہ تھا، جہاں آکر رہنا اور نانوائی کے ساتھ وقت گزارنا بچپن سے کھٹی میں پڑا ہوا تھا، ارما کو نانوائی کے ہارٹ ایک پر شدید ذہنی دھچکا لگا تھا، اس نے بچپن سے نانوائی کو سارے کام خود کرتے دیکھا تھا، نواسے نواسیوں کی آمد پر ان کے لئے کھانے پکانا، ساتھ مل کر کرنی وی پروگرامز دیکھنا، منصور کی شادی کے پلان ترتیب دینا بشمول ذہن کی تلاش، سبھی کچھ جوش جذبے سے ڈسکس کرنی نانوائی کے یوں بستر پر آپڑنے کا منظر ارما کے لئے خاصا جانسل تھا، نانی کی جی توڑ خدمت کے پیچھے بھی یہی جذبہ کارفرما تھا کہ وہ جلد از جلد پہلے ٹھیکسی اکیٹو اور صحت مند دکھائی دیں اور کچھ اپنی دوکی خدمتوں کا صلہ تھا کہ خدیجہ بیگم اب خود کو پہلے سے کافی بہتر محسوس کرتی تھیں۔

مبین علی کی منصور ولا آمد کا سبب بھی کچھ ان کی طبیعت ہی بنی تھی، مبین علی، منصور کے جگری دوست عمیر کا چھوٹا بھائی تھا، وہ اپنی جاب کے سلسلے میں اسلام آباد آ گیا تھا، اسے ایک پرائیویٹ کمپنی میں اکاؤنٹس منیجر کی جاب ملی تھی، کمپنی کی طرف سے رہائش کا بندوبست بھی تھا لیکن منصور اور عمیر دونوں نے اسے مشورہ دیا کہ اگر وہ اسلام آباد رہنے کے لئے جا ہی رہا ہے تو بہتر ہے کہ

منصور ولا میں قیام کرے تاکہ گھر میں مرد کی عدم موجودگی کا خلا پر ہو سکے۔

منصور خود پونیو آفیسر تھا، دو سال پہلے اس کی ٹرانسفر جہلم ہوئی تو عمیر کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا، وہ دونوں کالج کے دوست تھے اور دونوں کے برسوں پرانے گھر یلو تعلقات تھے، ارما، عمیر سے تو خوب واقف تھی کیونکہ نانوائی کے گھر بے شمار مرتبہ اس سے مل چکی تھی بلکہ منصور ماموں کے دوست کی حیثیت سے اسے بھی عمیر ماموں کا درجہ دے دیا تھا، لیکن مبین علی یہاں سب کے لئے ایک نیا چہرہ تھا سوائے خدیجہ حیات کے کیونکہ وہ منصور کے ساتھ جہلم آئی جاتی رہتی تھیں۔

ارما کو زیادہ غصہ اس بات کا تھا کہ ان کی خدمتوں میں ایسی کیا کی رہ گئی تھی جو منصور ماموں نے مبین صاحب کی خدمات کا نوکرہ بھی منصور ولا میں بھیج دیا، فریال سے اس کا ہنسی مذاق دیکھ کر وہ مزید چڑ جاتی کہ بھلا کیا ضرورت ہے ایک اجنبی کو سر چڑھانے کی۔

”مبین بھائی یہ..... مبین بھائی وہ..... ہونہم۔“ وہ برے برے منہ بتاتی اپنے آپ میں گمن رہتی تاکہ نہ زیادہ سامنا ہو اور نہ بات چیت کرنا پڑے، مبین سب دیکھ سمجھ رہا تھا لیکن ہمیشہ ہی اسے اپنی شرارتی مسکراہٹ دہانا پڑ جاتی کیونکہ محترمہ کو اس کی مسکراہٹ سے اللہ واسطے کا پیر تھا، اب یہ اور بات کہ ارما کا مسلسل گر بڑ مبین کو اس پشیم کے صدم کے مزید قریب لا رہا تھا، وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر خود کو کومتا۔

”مبین علی! اس راہ کی دشواریاں اچھے اچھوں کو خون رلا دیتی ہیں اور وہ پھول جسے محبت کہتے ہیں اس تک پہنچنے کا راستہ اتنا خاردار ہے کہ تار تار دامن میں صرف چھید باقی رہ جاتے ہیں،



پھر یہ بات بھی کون مانے گا کہ پہلی نظر کی محبت کو محض فانی اور افسانوی سمجھنے والے کا خود پہلی نظر میں ایسا حال ہو جائے گا۔

خدیجہ آئی نے جب برستی بارش میں اسے اپنی نواسی اراما کو تب تک مبین کے لئے ایک ان دیشی شخصیت تھی کو ڈھونڈنے بھیجا تو اس کے سامان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ چوراہے کا موڑ مرتے ہی زندگی بھی ایک نیا موڑ کاٹنے والی ہے سڑک کنارے دواؤں کے شاپر کو مضبوطی سے تھامے سرخ سوٹ میں بیٹھی اور گھبراہٹ سی لڑکی پر جب گاڑی کی تیز ہیڈ لائٹ پڑی تو مبین کا دل یکبارگی دھڑکا اور ایک خواہش جو شدت سے چل کر باہر آئی وہ یہ تھی کہ کچھ دیر وہ یونہی اسے بیٹھا دیکھتا رہے جس نے تیز روشنی پڑنے پر بے ساختہ آنکھیں بند کر لی تھیں، لیکن برستی بارش میں چونکہ یہ خواہش نری حماقت تھی سو وہ نیچے اتر آیا اور دشمن جاں سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل کیا۔

☆☆☆

”بڑی تو نہیں ہو؟“ سریلی ٹھنک دار آواز ماؤتھ پیس میں ابھری تو ایک بڑی دل آویز مسکراہٹ سعد کے لبوں کو چھو گئی۔

”یہ لو اب نہیں ہوں بڑی۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر سامنے کھلی فائلیں بند کر دیں۔

”نچ کے بارے میں کیا خیال ہے، کہو تو آ جاؤ؟“ وہ شوفی سے ہنسی۔

”نو ڈیر سچویشن کافی ٹف ہو جائے گی، ہینڈل کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔“ سعد نے فوراً اس کا خیال رد کیا۔

”خیریت؟ کوئی ٹیم وغیرہ وزٹ پر آئی ہے کیا۔“ رمشہ کو یاد آیا چند ہفتے پہلے اچانک ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کے چند لوگ میڈیسن وغیرہ کی چیکنگ کے لئے آگئے تھے تب بھی وہ دونوں نچ

کے لئے نکلنے والے تھے۔

”او نہیں، ان کو ہینڈل کرنا تو کوئی مسئلہ نہیں، ایز یو نو کہ سعد اللہ ایسے معاملات میں ہمیشہ صاف رہتا ہے۔“ اپنی تعریف کا موقع اس نے ضائع نہیں جانے دیا۔

”آئی نو..... دین پر ابلم کیا ہے؟“  
”یار وہ میرے تایا جی نے کچھ دیر پہلے فون کیا، وہ مجھ سے ملنے ہاسپٹل آرہے ہیں۔“  
”یہاں؟“ رمشہ حیران ہوئی، پروگرام بگڑنا دیکھ کر موڈ بھی آف ہو گیا۔

”بس تمہیں بتایا تھا ناں، کچھ دن پہلے ہم نے پہلی مرتبہ ان کے ہاں جانا تھا لیکن بارش کی وجہ سے پروگرام کینسل ہو گیا تھا، شاید دوبارہ انوائٹ کرنا چاہتے ہیں۔“  
”واہ بڑے کیمرنگ ہیں۔“ رمشہ نے رشک سے ہنسیں اچکا لیں۔

”انوائٹ تو فون پر بھی کیا جاسکتا تھا، ان فیکٹ انہیں ڈائریکٹ انکل آئی سے کہنا چاہیے لیکن لگتا ہے معاملہ تمہیں خصوصی اہمیت دیتے کا ہے۔“

”ہوں کافی اسارٹ ہو۔“ سعد نے مسکرا کر ایزی چیئر سے پشت ٹکائی۔

”ہاں بھئی امیر سرجن جیتھے کو کون دوسروں کے لئے چھوڑتا ہے وہ بھی اکلوتا لیکن ڈیر تم کیوں اتنے ایکساٹینڈ ہو، وہ ملنے کیا آرہے ہیں، تم تو سارے کام دھندے چھوڑ کر بیٹھ گئے۔“ وہ قدرے نفاسی ہو گئی۔

”ضروری ہے مائی سویٹ فرینڈ، بہت ضروری۔“ سعد کی آنکھوں کی چمک کچھ اچانک ہی بڑھی تھی۔

”کیا ضروری ہے۔“ رمشہ کا لہجہ بدلا۔  
”کیا اچھا بننا؟“ اس نے قدرے جتنے

کے لہجے میں کہا تو سعد بہم انداز میں مسکرایا۔

”یہی سمجھ لو۔“

”اور ہمارا نچ؟“

”نچ کو ڈر میں تبدیل کر لیتے ہیں، تمہاری آج نائٹ نہیں ہے ناں تو آٹھ بجے آکھٹے یہاں سے نکلیں گے، ڈنر کے بعد تمہیں گھر بھی ڈراپ کر دوں گا، اگیری؟“

”آف کورس، اگیریڈ۔“ وہ خوشی سے چپکی تو سعد نے بھی مسکراتے ہوئے فون رکھ دیا۔

☆☆☆

”نانو امی نے ناشتہ کر لیا ہوا؟“ کچن میں کھٹ پٹ کی آواز سن کر وہ وہیں چلی آئی۔

”نہیں بیٹا، میں نے کمرے میں جھانکا تو سوری تھی، میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔“

”ابھی تک سوری ہی ہیں۔“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی اور قدرے پریشان سی ان کے کمرے میں آئی، ماتھے پہ ہاتھ رکھا، تو کھلے کوان کی پلکیں کپکپا لیں۔

”ارما۔“ انتہائی کم آواز میں شدید نقاہت زدہ لہجے میں فقط اتنا کہا اور ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی لیکن اٹھا نہیں پاسیں ان کا آدھا اور اٹھا ہاتھ لڑکھڑا کر دوبارہ گرا تو ارما کا دل اچھل کر حلق میں آیا، وہ ٹھیک نہیں تھیں، ارما بھاگ کر کچن میں آئی، ہوا کوان کی طبیعت کا بتا کر اندر بھیجا اور خود

فرید کو بلانے باہر دوڑ گئی، وہ سامنے گیٹ پر ہی کھڑا تھا، ہاتھ ہلا کر اسے اندر بلایا اور واپس نانو کی طرف آگئی، ہوا کی مدد سے انہیں اٹھا کر وہیل چیئر پر بٹھایا بھی فرید کے ساتھ مبین بھی اندر داخل ہوا، شاید اسے فرید نے بتایا تھا۔

”تم لوگ آئی کو گاڑی میں بٹھاؤ میں اوپر سے کچھ ضروری چیزیں لے لوں پھر خود ہی انہیں ہاسپٹل لے جاؤں گا۔“ وہ فرید کو ہدایت دیتا

واپس اوپر چلا گیا، ارما نے قدرے سکون محسوس کیا وہ بھی یہی چاہ رہی تھی کہ مبین ساتھ جائے، فرید اور یوانو امی کو گاڑی کی طرف لے گئے اور وہ فون کی طرف بڑھی تاکہ امی کوان کی طبیعت کے بارے میں بتا سکے لیکن اس سے پہلے کہ نمبر ملائی کسی نے ریسپونڈ پر ہاتھ رکھا، ارما نے چونک کر سر اٹھایا تو مبین نے فنی میں سر ہلا کر اسے منع کیا۔

”ابھی کسی کو پریشان نہ کریں، ہم سنہال لیں گے، انشاء اللہ۔“ نرمی سے کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

خدیجہ حیات کو دل کے عارضے کے علاوہ شوگر کا بھی مسئلہ تھا، اس روز بھی شوگر لیول انتہائی کم ہو جانے کی وجہ سے وہ نڈھال ہو گئی تھیں، ہسپتال میں یہاں سے وہاں ارما نے جانے کتنے چکر کاٹ ڈالے تھے، مبین نے آکر رپورٹس کے متعلق بتایا تو وہ حیرت اور خوشی سے بلاوجہ اسے دیکھ گئی۔

”کیا ہوا؟“ مبین کو سمجھ نہیں آئی کہ ارما خوش ہے یا پریشان۔

”کچھ نہیں۔“ وہ جھینپ کر قریبی بیٹج پر بیٹھ گئی۔

”میں سمجھی شاید پھر سے خدا خواستہ دل میں تکلیف آئی ہے۔“

”ہاں ڈر تو میں بھی گیا تھا لیکن شکر ہے مسئلہ صرف وہ بلڈ پریشر کا تھا۔“ وہ رومال سے پیشانی صاف کرتا ذرا فاصلے پر بیٹھ گیا۔

”نانی کب تک یہاں رہیں گی؟“

”انہیں ڈرپ لگی ہوئی ہے اندازاً اس پندرہ منٹ اور ہیں، پھر سب ساتھ ہی نکلے ہیں۔“

مبین نے جواب دیتے ہوئے موبائل جیب سے نکالا۔



”چاہیں تو اب گھر والوں کو بتادیں۔“  
 ”جی امی کو بتا دیتی ہوں۔“ ارمانے نمبر ملا  
 کرائی سے بات کی اور انہیں بجائے ہسپتال  
 آنے کے ثانی کے گھر پہنچنے کا کہا، موبائل فون  
 مبین کی طرف بڑھاتے ہوئے ارمانے اک نظر  
 اسے دیکھا۔

”شکریہ آپ نے آج چھٹی کی، اتنا تعاون  
 کیا اور.....“

”کیسی باتیں کر رہی ہیں، اگر میں اتنا بھی  
 نہیں کر سکتا تو میرے یہاں رہنے کا فائدہ نہیں  
 ہے اور شکریہ ادا کر کے مجھ پہ یہ ثابت مت کریں  
 کہ وہ آپ کی زیادہ سگی ہیں۔“ آخری جملہ مبین  
 نے مسکرا کر کہا تو وہ شرمندہ ہو گئی، مبین اٹھ کر دور  
 چلا گیا وہ بے دھیانی میں اسے دیکھتی رہی،  
 ناگواری کا ایک تاثر جو بلاوجہ ہی مبین کے لئے  
 پیدا ہو گیا تھا ایک لحظہ اس میں کمی کا احساس ہوا،  
 گریز کا خود ساختہ خول بھی کچھ ٹوٹا سا محسوس ہوا،  
 شاید ثانی کے حوالے اس کا ذمہ دارانہ رویہ دیکھ  
 کر۔

☆☆☆

”جلدی کرو، جی، دوسرے بول بلائے آنچکی  
 ہیں، ابھی نا تو خود آئیں ناں، بہت مزا آئے گا تم  
 سب کو۔“ ارمانے جھٹ پٹ جیولری پہن کر  
 بالوں میں برش پھیرا اور ان تینوں کو تنبیہ کرتی باہر  
 نکل آئی، ان دونوں کی مشترکہ دوست عصمہ کی  
 شادی تھی، پچھلی شام سے ہی دونوں ثانی کے ہاں  
 تھیں، تارا اور صبا کچھ دیر پہلے پہنچی تھیں، ان سب  
 کی تیاری تو ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی ارما اس  
 خیال سے نانو کے کمرے کی طرف بڑھ گئی کہ  
 پوچھے انہوں نے کب اور کس کے ساتھ نکلتا ہے،  
 باہر نکلی تو خزاں کی خشک ہواؤں نے ہال بکھیر کر  
 اس کا استقبال کیا، وہ چہرے پر آنی لٹوں کو ہشاتی

چند قدم مزید آگے آئی تو نظر مبین پر پڑی جو  
 برآمدے کے کونے پر لان کی طرف منہ کیے کھڑا  
 تھا، آہٹ پر گردن موڑی تو ارما سے آنکھیں چار  
 ہوئیں، جانے کیا تھا اس کی سوئی سوئی نگاہ میں،  
 وہ جھجک کر آگے بڑھ گئی۔

مبین نے ایک گہرا سانس لیا اور دوا سٹیپ  
 نیچے اتر کر قدم لان میں رکھے، آج جانے کیوں  
 طبیعت بہت بھاری سی ہو رہی تھی اور عجیب بات  
 یہ بھی کہ ایسا صبح سے نہیں تھا بلکہ پانچ بجے جب وہ  
 آفس سے لوٹا تو خدیجہ آئی نے کہا کہ ارما اور  
 فریال وغیرہ کی دوست کی شادی ہے اور اسے  
 انہیں ڈراپ کرنا ہو گا، پھر کمرے تک جاتے  
 جاتے، اس کی کیفیت عجیب ہونا شروع ہو گئی تھی،  
 مبین نے بہت سوچا کہ شاید آفس کے کسی  
 معاملے کی وجہ سے اس کی طبیعت بوجھل ہے،  
 لیکن اب تو یقین ہو گیا کہ ایسا کچھ نہیں تھا، چند  
 لمحے پہلے ارما سے نظرس کیا چار ہوئیں مبین کے  
 بھاری اعصاب پر گویا کسی نے دو چار مزید پتھر  
 رکھ دیئے تھے، گہرے مونگیا سوٹ کے ساتھ  
 کرشل وائٹ جیولری پہنے وہ بلاشبہ بہت حسین  
 لگ رہی تھی، پر جانے کیوں اچانک ہی ایک بے  
 کاری سوچ نے مبین کے وجود کا احاطہ کیا اور اس  
 کا دل چاہا ابھی ارما کو روک کر کہہ دے کہ ہو سکے  
 تو وہ شادی میں نہ جائے لیکن سوچنے اور کہنے میں  
 بہت فرق ہوتا ہے، نہ ہی اسے یہ حق حاصل تھا  
 اور نہ ہی روکنے کا کوئی جواز، آج رہ رہ کر اسے  
 امی کی یاد آ رہی تھی، وہ کہا کرتیں مبین مجھے تمہاری  
 چھٹی حس سے بڑا ڈر لگتا ہے، کسی وہم یا خیال کا  
 تمہارے دل میں جگہ پالینا مجھے بہت اپ سیٹ کر  
 دیتا ہے، مبین کے وجدان کی تیزی انہوں نے  
 اس کے بچپن میں ہی محسوس کر لی تھی، پیش آنے  
 والے کسی برے یا منفی عمل سے پہلے وہ ایک دم

نہایت خاموش، ست اور ڈھیلا سا ہو جاتا،  
 جاننے کے باوجود وہ اپنی کیفیت میں تبدیلی پیدا  
 نہ کر سکتا اور کبھی بلاوجہ بہت اکیٹو، پر جوش اور  
 شوخ نظر آتا اور اس کی یہ خوشی جلد ہی ماحول میں  
 کسی خوش آئندہ خبر کی صورت میں ظاہر ہو جاتی۔  
 وہ تھا سا برآمدے اور لان کی درمیانی  
 سیڑھیوں پر بیٹھ گیا بھی ارما لاؤنج سے نکل کر  
 واپس برآمدے میں آئی، مبین کو یوں ہنسا دیکھ کر  
 وہ رکی، اس کی حیثیت یہاں گھر کے فرد جیسی تھی،  
 ایسے ڈرائیوروں کی طرح اس کا انتظار میں بیٹھنا  
 نہ تو اچھا لگ رہا تھا نہ ہی کوئی مناسب رویہ تھا،  
 فریال اور تارا وغیرہ پر بھی سخت غصہ آیا جنہیں قطعاً  
 کسی بات کا احساس نہیں تھا وہ کچھ سوچ کر چند  
 قدم آگے آئی۔

”سواری آپ کو زحمت ہو رہی ہے، میں  
 سب کو بلا لاتی ہوں۔“

”بات سنیں۔“ عجلت میں اندر جاتی ارما کو  
 خاصی غائب دماغی سے وہ بیکار بیٹھا تھا۔

”جی.....؟“ وہ رکی لیکن چند لمحے انتظار  
 کے باوجود وہ کچھ نہیں بولا اور پھر اچانک ہی اٹھ  
 کھڑا ہوا۔

”کچھ نہیں، آپ باقی سب کو بلا لیں میں  
 گاڑی میں ویٹ کر رہا ہوں۔“ بنا اس کی طرف  
 دیکھے وہ جلدی سے کہتا آگے بڑھ گیا اور وہ حیرت  
 سے اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔

”جانے کیا کہنا چاہ رہا تھا، عجیب ہے یہ  
 بھی۔“ وہ آہستہ روی سے کمرے کی طرف چل  
 پڑی۔

شادی والے گھر کے آگے گاڑی رکی تو  
 فریال نے اسے دو گھنٹے بعد واپس آنے کا کہا،  
 اندر داخل ہونے سے پہلے ارمانے ایک مرتبہ  
 پلٹ کر دیکھا، جانے کیوں وہ اسے کافی پریشان

اور الجھا الجھا سا لگا تھا۔

”ارے سنو ارما، یہاں تو سعد بھائی بھی  
 ہیں۔“ وہ چند پرانی کلاس فیلوز سے مل رہی تھی  
 جب صبا اس کے کان میں تھیں۔

”اچھا..... کہاں ہے؟“ وہ اشتیاق سے  
 مڑی، صبا نے دائیں جانب اشارہ کیا تو ذرا  
 فاصلے پر وہ دکھائی دے گیا، پچھلے دنوں پچا کے گھر  
 تصویروں میں اسے دیکھا تھا، لائٹ گرے فل  
 سوٹ میں بلاشبہ وہ کافی جاذب نظر دکھائی دے  
 رہا تھا، کسی سے بات کرتے اچانک اس کی نظر صبا  
 پر پڑی تو فوراً پہچان گیا کیونکہ صبا سے اس کی دو  
 مرتبہ ملاقات ہو چکی تھی، اس نے ہاتھ ہلایا تو وہ  
 مسکراتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔

”کیسی ہو صبا؟“

”بالکل ٹھیک، سعد بھائی، آپ یہاں  
 کیسے؟“ وہ خاصی پر جوش لگ رہی تھی۔

”دولہا صاحب کے میٹ فرینڈ ہونے کا  
 شرف حاصل ہے۔“ بات کے دوران ہی اس  
 نے باری باری ان تینوں کو دیکھا جو مکمل اسی کی  
 طرف متوجہ تھیں، صبا کو فوراً تعارف کی ضرورت  
 محسوس ہوئی۔

”ان سے ملیں سعد بھائی، یہ ارما ہیں۔“  
 ”او..... تو یہ ہیں ڈیر کزن جو ہم سے اتنی  
 دور دور رہتی ہیں۔“ وہ اسے گہری نگاہ کے حصار  
 میں لے کر خوشدلی سے بولا۔  
 ”ایسی کوئی بات نہیں۔“ وہ ایک دم شرمندہ  
 ہو گئی۔

”دونوں مرتبہ اتفاقاً ہی ایسا ہوا کہ آپ  
 لوگ آئے لیکن میں اپنی ثانی امی کے ہاں تھی،  
 دراصل وہ بیمار ہیں تو اس لئے میں اور فریال آج  
 کل وہاں ہوتی ہیں۔“ ارما کے اشارہ کرنے پر  
 سعد نے فریال کی طرف دیکھا۔



”یہ ہماری خالہ زاد ہیں سعد بھائی، یہ بڑی فریال اور چھوٹی تارا۔“ صبا نے تعارف کو مزید آگے بڑھایا۔

”بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر، کافی ذکر سنتے تھے آپ کا۔“ فریال نے مسکرا کر اضافہ کیا۔

”اچھا۔“ وہ قدرے حیرت سے ہنسا۔  
 ”ان کے ہاں ہمارا ذکر، حیرت سے زیادہ اعزاز کی بات ہے۔“ جانے کیوں ارما کو اس کے لہجے میں ہلکی سی طنز کی کاٹ محسوس ہوئی، چونک کر سر اٹھایا تو وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا، چمکتی شوخ نگاہ جیسے آ رہا ہوئی جارہی تھی، اس نے گھبرا کر فریال کو دیکھا۔  
 ”چلو عصمہ سے مل آئیں۔“

”ہاں..... آؤ۔“ اس نے فوراً پیش قدمی کی اور ارما کی سکیورٹی کے لیے کہہ کر آگے بڑھ گئی، انہیں انج کی طرف آئے بشکل پانچ دس منٹ ہوئے تھے کہ سعد بھی وہاں آ گیا، عصمہ کے شوہر سے باتیں کرتے اس نے بے شمار بار ارما کی طرف دیکھا، اس کی معنی خیز گھوریاں ارما کو سخت کوفت میں مبتلا کر رہی تھیں، عجیب سمجھ میں نہ آنے والے انداز تھے اس کے، ارما کا دل بڑے زور سے دھڑکا، بعد میں جتنی دیر بھی وہ سب وہاں رہے سعد اسے مسلسل اپنے آس پاس ہی دکھائی دیا۔

”ارے مانو، یہ صاحب تو پورے عاشق ہو گئے تم پر۔“ فریال نے نوٹ نوٹ کر لیا پر گھر تک صبر نہیں کر پائی۔

”نہیں یار، ویسے ہی فراجا ذرا بولڈ لگ رہا ہے۔“ ارمانے بات اڑانے کی کوشش کی۔

”ارے نہیں، تم دیکھ لینا، اپنا گھر بسانے کے موقع پر پہلا ریڈ تھمارے ہاں ہی کرے گا، بلکہ سیدھا تمہیں لے ہی نہ اڑے، سگا ہونے کا اضافی فائدہ بھی تو ہے اسے۔“

”اللہ نہ کرے، تم بھی ناں۔“ ارمانے زور سے اس کے بازو پر مکا مارا۔

”رشتہ دار یوں یہ اپنی ریسرچ سنبھال کر رکھو، چلو تارا اور صبا کو بلاتے ہیں، کافی ٹائم ہو گیا ہے ہمیں آئے۔“

”ارے..... میں نے تو مبین کا نمبر ہی نہیں لیا، اب اسے بلائیں گے کیسے۔“ فریال کو اچانک خیال آیا۔

”او۔“ ارمانے سوچنے کے لئے تھوڑا وقت لیا۔

”گھر فون کر لیتے ہیں، ظاہر ہے وہ واپس ہی گیا ہوگا، بویا ناٹو سے کہتے ہیں اسے بھیج دیں۔“ اس نے پرس سے اپنا موبائل نکالا، فون بوانے اٹھایا ارمانے مبین کا پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تب سے وہ تو گھر ہی نہیں آیا۔

”اب کیا کریں، مبین تو گھر گیا ہی نہیں۔“ اس نے پریشانی سے فریال کو دیکھا، صبا اور تارا بھی گھومتی گھومتی واپس آ چکیں۔

”سعد بھائی کے ساتھ چلیں، وہ ہمیں ضرور ڈراپ کر دیں گے۔“

”پاگل ہوئی ہو۔“ صبا کا مشورہ اسے ایک آنکھ نہیں بھایا، فریال نے بھی مشکل سے ہنسی روکی، ساتھ ہی چاروں نے باہر کا رخ کیا، وہ مبین کے متعلق سوچتی ست روی سے سب سے آخر میں باہر نکلی اور یہ دیکھ کر تو جیسے ڈھیروں سکون اس کے اندر تک اتر گیا کہ مبین اپنی سابقہ جگہ پر موجود تھا، وہ گاڑی سے تھوڑا ہٹ کر ان سب کے بیٹھنے کا انتظار کرنے لگا، فریال وغیرہ تو اندر گھر گئیں لیکن وہ سیدی اس کے پاس آئی۔

”کہاں تھے آپ؟ بوانے بتایا کہ گھر ہی نہیں آئے۔“ جانے کیسا اپنائیت بھرا غصہ تھا وہ بس دیکھ کر رہ گیا۔

”ہمیں تھا، مبین آپ۔“ سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا، اب کیا کہتا اس سے کہ چھٹی حس کے دوسووں نے اسے دور کہیں جانے ہی نہیں دیا اور تب سے وہ یہیں بیٹھا تھا اور پہلا سکون کا سانس اس نے تب لیا جب ارما ساتھ خیرت کے گیٹ سے باہر نکلی لگا ہوں کے چند سیکنڈ کے تبادلے نے اس پر بہت کچھ واضح کیا تھا، ارمانے اسے دیکھ کر ایک طمانیت بھرا سانس لیا تھا، سکون اور ٹھنڈائی کی وہ کیفیت جو محض چند سیکنڈز پر مبنی تھی نہ چاہتے ہوئے بھی مبین کو خوش پہنچا گئی، البتہ قریب آنے پر اس کا سوال کہ ”کہاں تھے آپ؟“ نے صاف واضح کر دیا کہ اندر گزارے دو گھنٹوں میں وہ بھی بے سکون اور پریشان رہی تھی، پر کیوں؟ مبین اپنی چھٹی حس کے اشاروں کو آج پہلی مرتبہ خود سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

گھر واپس پہنچنے گیارہ بج گئے، گاڑی پورچ میں رکی اور وہ سب آپس میں ہنستی بولتی اندر چلی گئیں، مبین نے شیشے وغیرہ جڑھا کر چھوٹا موٹا سامان سمیٹا اور لاک لگا کر اندر کی طرف قدم بڑھائے، بھیڑ مابھاگتی ہوئی واپس آئی۔  
 ”وہ..... چابی..... آئی مین گاڑی کی چابی۔“

”کیا ہوا؟ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہیں؟“ وہ پریشان ہو گیا۔

”میری گولڈ رنگ کھو گئی ہے شاید گاڑی میں ہو۔“

”او چلیے دیکھ لیتے ہیں۔“ مبین فوراً مڑا، لاک کھول کر بیک سیٹ کے دونوں دروازے کھول دیئے، ایک طرف سے ارما دیکھنے لگی اور دوسری طرف سے وہ خود۔

”آرام سے ارما۔“ اس کی بوکھلاہٹ اور

جلت دیکھ کر مبین کو کونا پڑا کیونکہ اس انداز سے ڈھونڈنے پر ممکن نہیں تھا کہ چیز مل پائی۔

گاڑی کی سینٹر لاسٹ اور موبائل کی ٹارچ آن کر کے اس نے ارما کو باہر رہنے کا کہا، وہ واپسی پر ڈرائیونگ سیٹ کے عین پیچھے بیٹھی تھی، مبین نے ٹارچ گھما کر ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے دیکھا تو کونے میں چمکتی ہوئی چیز چھنسی دکھائی دی، اس نے مسکرا کر انگلی پھینچی اور لاسٹیں دروازے بند کر کے باہر آ گیا۔

”یہ کیسے۔“  
 ”اوہ ٹھیکس گاڑ۔“ اس نے فوراً انگلی پھینچی۔

”اتنی پریشان کیوں ہو گئی تھیں، ایک رنگ ہی تو تھی۔“ وہ ابھی بھی مسکرا رہا تھا۔  
 ”وہ دراصل میں..... میری نہیں تھی۔“ ارما جھینپ گئی۔  
 ”امی کی بہنی تھی۔“

”ہوں، پھر تو خصوصی خیال رکھنا چاہیے تھا۔“

”بس پتہ نہیں کیسے، پریشانی میں مسلسل گھمائے جا رہی تھی تو۔“

”پریشانی۔“ مبین چونکا۔  
 ”کیسی پریشانی؟“ سارے حواس یکدم چوکنے ہو گئے بھی بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔  
 ”کچھ خاص نہیں، ویسے ہی۔“

”کیا شادی میں کچھ بات ہوئی؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا اصرار بڑھ رہا تھا ارمانے حیرت سے اسے دیکھا، وہ دونوں آپس میں اتنے فری ہرگز نہیں تھے کہ دکھ سکھ شیر کرتے، پھر یہ کیسی بے تابی تھی مبین کی اور اندازہ بھی اتنا ٹھیک، بلاشبہ وہ سعد سے ملاقات کی وجہ سے اپ سیٹ تھی۔



”سوری۔“ اس کی حیرت دیکھ کر مبین نے لہجے کی بے چینی پر قابو پایا۔  
”میں بلاوجہ پرسٹل ہو گیا۔“ حیرت گلیز طور پر دونوں ہی ابھی تک پورچ میں کھڑے تھے، نہ مبین نے اندر کی طرف پیش قدمی کی تھی اور نہ ہی ارما آگے بڑھی تھی۔

”پریشان تو آپ بھی تھے جانے سے پہلے اور کچھ کہنا بھی چاہ رہے تھے۔“ ارما کو یاد آیا۔  
”ہاں سر“ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔  
”ایک الجھن ہے جو سلجھ نہیں رہی آپ اپنی پریشانی کی وجہ بتا دیں تو شاید سلجھ بھی جائے۔“  
”جی؟“ کچھ نہ سمجھتے ہوئے وہ اسے دیکھنے لگی، اب اس کی پریشانی سے مبین کا خاک کچھ لیٹا دیتا تھا۔

”میرا خیال ہے اندر چلتے ہیں۔“ ہلکا سا مسکرا کر اس نے اندر کی جانب اشارہ کیا، اچانک ہی دماغ کی تہیہ نے نکتے دل کو مٹھی میں لپٹا لیا تھا، یہاں تو خود کو سنبھالنا ایک امتحان ہو گیا تھا، کیسے ایک سادہ دل معصوم سی لڑکی کو سمندروں سے گہرے جذبوں کی کھوج پر لگا دیتا، وہ..... جو اس کی آنکھوں کی گہرائی سے بھی خائف رہتی تھی، ذرا سی نظر کیا اٹھا دیتا، گڑبڑا کر دائیں بائیں ہونے لگتی تھی، اس وقت بھی حیرت آنکھوں میں سموئے اس کے لفظوں پر غور کر رہی تھی جب اچانک تاردار دروازے میں آئی۔

”انگوٹھی نہیں ملی کیا؟“ وہ زور سے چلائی۔  
”ہاں مل گئی۔“ وہ تیزی سے اندر روانہ ہوئی۔

”کافی مشکل سے ملی ہے۔“ دیر ہو جانے کا سیدھا سا جواز بنا کسی کے ماتھے فراہم کرتی لچلے بھر کو مبین کے ہونٹوں پر ہنسی چھوڑ گئی، وہ سینے پہ ہاتھ باندھے لیوں کی ہنسی فوراً معدوم ہوئی اور دل

ایک انجانے خوف سے دھڑک اٹھا، جو وہ نہیں چاہ رہا تھا غالباً ہونے جا رہا تھا اور سراسر قصور وار جی وہ خود تھا، نلکش سے واپسی پر نادانستگی میں وہ دو یا تین مرتبہ اسے بیک ویو مرر میں دیکھنے کی غلطی کر بیٹھا تھا جسے ارمانے فوری طور پر محسوس کیا تھا بھی تو جو جی اس کی نظر مرر کی جانب اٹھتی عین اسی لمحے ارما بھی بے ساختہ اسے دیکھتی، شاید اس شدت، اس پیش کی وجہ سے جو مبین کی آنکھوں سے سیدھی ارما کے دل تک پہنچی تھی۔

☆☆☆  
”صبح محسن بھائی کا فون آیا تھا، میں نے آج انہیں ڈنر پہ انوائٹ کیا ہے۔“ ثانی کی نائٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اعظم نے آمنہ کو دیکھا۔

”جی اچھا میں انتظام کر لوں گی۔“ وہ بیڑ پہ بکھری فائلیں سمیٹنے لگیں۔  
”ارما ہے گھر پہ؟“ دروازے کا ہینڈل دباتے اچانک انہیں خیال آیا۔  
”جی وہ تو اماں کے گھر گئی تھی ناں آج صبح ہی۔“

”تیسری مرتبہ وہ لوگ آرہے ہیں اور ارما گھر نہیں ہوتی کیا سوچیں گے۔“  
”میں نے محسن بھائی اور رابعہ کو اماں جی کی طبیعت کے بارے میں بتایا تھا پچھلے مرتبہ۔“ انہیں پتہ ہے کہ ارما ثانی کا خیال رکھتی ہے، آمنہ نے صفائی دینے کی کوشش کی، جانے کیوں اعظم کی تیوری کا ایک بھی ٹل اسے اندر تک سہا دیتا تھا۔

”آج سعد اللہ بھی آرہا ہے، بہتر ہوگا کہ تم ارما کو بلواؤ۔“ آرڈر کے انداز میں کہتے وہ داش روم چلے گئے، دونوں روئے ان کی فطرت کا حصہ تھا۔

تفصیلات بتانے کی نہ انہیں عادت تھی نہ ضرورت، آدمی سے زیادہ باتوں کے مطلب آمنہ خود ہی سمجھ جایا کرتی تھی، یہ بھی بائیس سالہ رفاقت کا کمال تھا کہ اب اسے ہر بات کا مطلب پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، باہر آ کر اس نے جلدی سے اماں کا نمبر ملایا، فون اتفاق سے ارمانے ہی اٹینڈ کیا۔

”ہو سکے تو ابھی چلی آؤ مانو، تمہارے چچا وغیرہ آج آرہے ہیں، سعد بھی ہوگا، تمہارے ابو چاہتے ہیں آج تم انہیں گھر بلو۔“  
”پلیز امی! کل ہی تو آئی ہوں اور میرا بالکل موڈ نہیں واپس آنے کا۔“ اس نے منہ بسورا۔

”خدا مت کرو ارما، تمہارے ابو ناراض ہو جائیں گے، میں نفیہ آیا سے کہتی ہوں کہ تارایا فریال کو اماں کے پاس بھیج دیں۔“ آمنہ نے اسے مزید بحث کا موقع نہیں دیا۔

”اور ہاں تم فرید کے ساتھ آ جانا، تمہارے ابو تو ابھی آفس سے آئے ہیں کھانا کھا کر ریٹ کریں گے اور فہد آج یونیورسٹی ٹرپ پہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے شاید شام تک واپسی ہو۔“

”جی اچھا۔“ ماں کے قطعی انداز پر وہ فقط اتنا ہی کہہ پائی، لیکن جب نانوسے پتہ چلا کہ فرید آج چھٹی پر ہے تو خوشی سے اچھل پڑی۔  
”چلو شکر ہے، اب نہیں جانا پڑے گا۔“

”صرف اپنے بارے میں سوچ رہی ہو، ہوں ماں کے بارے میں کون سوچے گا؟“ خدیجہ بیگم نے مسکرا کر اس کی ٹھوڑی اوچی کی اور..... اور سوالیہ انداز میں پھنویں اچکا میں تو ارما بھی نہپ گئی۔

”یہ امی اتنا ڈرتی کیوں ہیں ابو سے، آپ بھی نانا سے اتنا ڈرتی تھیں۔“

”تمہارے نانا تو نہایت حلیم اور نیک دل طبیعت کے تھے، ہمیشہ چہرے پہ مسکراہٹ بھی رہتی تھی، بس ہوتا ہے ہر ایک کا اپنا مزاج، تمہارے ابو جانے کن حالات اور کیسے ماحول میں پلے ہوں گے، اپنے غصے پر شاید ان کا بھی اختیار نہ ہو، بس تم لوگ سمجھ داری کا ثبوت دیا کرو اور تم تو میری سب سے پیاری اور فرمانبردار بچی ہو۔“ انہوں نے پیار سے ارما کو اپنے ساتھ لگایا تو اس نے لاڈ سے ان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔  
”تو پھر نانا تو میں کیسے جاؤں گی؟“

”مبین آفس سے آچکا ہوگا اسے کہتی ہوں وہ چھوڑ آئے گا۔“

”مبین!“ دل لچلے کو عجیب مدھم سروں میں اوپر نیچے ہوا، اگلے ہی پل اس نے خود کو اس سمجھ میں نہ آنے والی کیفیت سے نکالا۔

کمرے میں آ کر اس نے اپنا ضروری سامان سمیٹا، سوچیں بہت اوندمی سیدھی اور منتشر سی تھیں، گھر میں مختلف نوعیت کی دعوتیں، پارٹیز آئے دن ہوا ہی کرتی تھیں لیکن ابو کی طرف سے ایسا فرعون نامہ پہلے ہی جاری نہیں ہوا تھا اور سعد کی آمد پر بطور خاص اس کی موجودگی پر زور دینا، اوپر سے سعد کی نظر التفات و عنایت، مطلب تو ایک ہی لگتا تھا، کوئی ہفتہ بھر پہلے وہ سب بھی محسن چچا کے گھر گئے تھے، عصمہ کی شادی کے بعد یہ اس کی سعد سے دوسری ملاقات تھی، اس کے بے باک انداز اور مہربان رویے میں ارمانے مزید اضافہ محسوس کیا تھا، گھر دکھانے کے بہانے وہ اسے اکیلے ہی اپنے ساتھ لے گیا تھا، وہ تو پہلے ہی اس کی چھٹی نگاہوں سے گہرائی سی رہتی تھی اب تو متنی خیز جملے بازی بھی شروع ہو گئی تھی، حالانکہ دل ہی دل میں اکثر اسے یہ سوچ کر سعد پر ترس آتا تھا کہ بڑوں کی لڑائی کی وجہ سے بلاوجہ



اس بے چارے کو رشتوں کی محرومی سہنا پڑی تھی، لیکن اب جس زاویے پر سعد سوئے لگا تھا اس سے ارما کو کوفت محسوس ہوتی، دراصل حسن رضا نے اپنے والد ضمیر احسن کی مرضی کے خلاف رابعہ سے محبت کی شادی کی تھی، وہ خود ایک ڈاکٹر تھے اور رابعہ ان کے ہاسپٹل میں نرس تھی، حالانکہ اعظم اور حسن کا رشتہ والد کی پسند سے طے ہو چکا تھا اور دونوں کی شادی ایک ساتھ ہونا قرار پائی تھی لیکن عین شادی سے ہفتہ پہلے حسن نے والد کی پسند کو ٹھکر کر رابعہ سے بیاہ کر چالیا، ضمیر احسن کی عزت پر ایسا بھرپور تازیانہ پڑا کہ انہوں نے علی الاعلان حسن کو عاق کر دیا اور زندگی بھر کوئی تعلق نہ رکھنے کا عہد بھی، رابعہ کی محبت کے نشے میں چور حسن نے ہمیشہ کے لئے باپ کا گھر چھوڑ دیا اور اپنی ایک الگ آزاد دنیا بسالی، وہ ایک کامیاب ڈاکٹر تھے دولت کی کوئی کمی نہ تھی، ایک خوشحال کامیاب زندگی کا آغاز ہو گیا اللہ نے اولاد بھی عطا کر دی، پہلی مرتبہ وہ تین ماہ کے سعد اللہ کو ہاتھوں پر لئے باپ سے معافی مانگنے اور انہیں ان کا پوتا دکھانے لے آئے، لیکن ضمیر صاحب نے اپنا عہد نہ توڑا اور حسن مایوس لوٹ گیا، لیکن اس کے بعد وہ تو اسے عیدین وغیرہ پر باپ کو منانے کے لئے آئے لگا لیکن نہ تو انہوں نے اپنی ضد چھوڑی اور نہ ہی حسن نے اپنا وطیرہ ترک کیا، البتہ سعد صرف بچپن میں ہی اپنے باپ کے ساتھ آتا رہا، گزرے دس بارہ سالوں میں وہ پھر کبھی باپ کے ساتھ نہیں آیا۔

اور سال بھر پہلے جب ضمیر احسن صاحب کا انتقال ہوا تو اس کے چند ماہ بعد اعظم خود بھائی کے پاس گیا اور اسے اپنی طرف سے تعلقات کی بحالی کی نوید سنائی، یوں قریب دو ماہ سے دونوں گھرانوں کا آپس میں باقاعدہ میل جول شروع

ہو چکا تھا، خوش تو ارما بھی بہت تھی تعلقات دوبارہ قائم ہونے پر، لیکن یہ خصوصی توجہ اسے ایک آنکھ نہیں بھرا رہی تھی، کیونکہ ابھی تو ٹھیک سے ایک دوسرے کو دیکھا سمجھا بھی نہیں تھا، بلکہ جتنا دیکھ اور سمجھ لیا تھا وہ تو سراسر غیر تسلی بخش تھا، سعد کی بے چینی بے تابی اسے بہت مصنوعی اور اظہار نہایت بناوٹی لگتا، رشتہ بظاہر بے حد مضبوط لیکن انداز بہت کھوکھلے سے تھے۔

تعلقات کی بحالی بذات خود ایک بہت بڑی کامیابی تھی فی الحال کچھ عرصہ اسی خوشی کو انجوائے کرنا ہی بہت کافی تھا، لیکن بچا کی نیکی کچھ زیادہ ہی سرگرم نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی اور بس اسی بات سے ارما کو سخت گلہ تھا، لیکن کہتی کس سے، جب اپنے ابو ہی سب سے زیادہ پر خوش نظر آ رہے تھے۔

”آ جاؤ بیٹا، بی بی بلا رہی ہیں، مہین نے کھانا کھالیا ہے وہ تمہیں لے جانے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔“

”جی ہوا، ابھی آئی۔“ اس نے جلدی سے چیزیں سمیٹ کر بلا ارادہ ہی خود کو آئیے میں دیکھا، بیک کو مینگ کچھ جھج نہیں رہی تھی اس نے کچھ سے بال آزاد کر کے الٹی مانگ نکالی، کچھ چھوٹی لٹیں چھوڑ کر باقی کے بال کان کے پیچھے اڑس لئے آنکھوں کے نیچے چھپے کا جل کوٹھو بیہر سے صاف کیا اور آئی بروز گواگلیوں سے درست کیا، آئیے میں خود سے آنکھیں چار ہوئیں تو شرمندگی محسوس ہوئی۔

”خدا ہوتی ہے خوش گمانی، خود فریبی کی بھی، یا شاید نہیں ہوتی۔“ اپنی ہی سوچ پر ندامت محسوس کرتی وہ باہر آگئی، نانوائی لاؤنج میں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

”میں کل ہی واپس آ جاؤں گی نانو، فہد مج

یونیورسٹی کے لئے نکلے گا تو اسی کے ساتھ آ جاؤں گی، ہم ناشتہ ایک ساتھ ہی کریں گے انشاء اللہ، پھر مل کر لان میں نئے پودے لگائیں گے، صبح کا اخبار بھی میں ہی آپ کو پڑھ کر سناؤں گی۔“

اچانک آپڑنے والے جدائی کے وقفے نے اسے اچھا خاصا افسردہ کیا تھا، وہ کچھ یوں خدا حافظ کہہ رہی تھی جیسے پردیس جانے والے ائر پورٹ پر اپنے پیاروں سے ملتے ہیں، خدیجہ بیگم نے خوب انجوائے کیا۔

”اچھا اب جاؤ، آمنہ انتظار کر رہی ہوگی۔“

”دیکھنا نانو، ان چچا چچی کو ایسی جلی روٹیاں کھاؤں گی کہ آئندہ کسی دعوت کا نام نہیں میں گے۔“ اس نے دانت کچکا کر غصہ نکالا تو عظمت بولنے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر قہقہہ لگایا۔

”جاؤ بھابھ کو اب۔“ خدیجہ بیگم نے ہنستے ہوئے اسے زبردستی دھکیلا، مہین نے گاڑی اسٹارٹ کی تو ساتھ ہی پلیر بھی آن ہو گیا۔

میں تو تم سنگ نین ملا کے ہار گئی بھانجیاں ہار گئی بھانجیاں

تم کی مدھر آواز میں شاید پچاس کی دہائی کا گانا بجا تھا، ارما کو کافی سنا سنا سا لگا، بول ہی عجیب سانسوں طاری کر رہے تھے، اس نے بے ساختہ مہین کو دیکھا جس کی مکمل توجہ پیچھے گیٹ کی طرف تھی، وہ پورچ سے گیٹ کی طرف ریورس میں گاڑی چلا رہا تھا، اس لئے سارا دھیان اسی جانب تھا جبکہ ارما کا گانے کی طرف، جس کے بول اور دھن بری طرح حواسوں پر چھار ہی تھی۔

نہ ملتیں یہ بھیرن اکھیاں  
چھین نہ جاتا دل بھی نہ روتا  
کاش کسی سے پیار نہ ہوتا  
میں تو تم .....  
.....

تک کی آواز آئی اور گانا بند، ارما نے چونک

کر دیکھا، گاڑی گیٹ سے نکال کر سڑک پر لاتے ہی مہین نے پلیر آف کر دیا تھا، وہ باہر دیکھنے لگی۔

”اتنا اچھا گانا تھا، بدتمیز نہ ہو تو۔“

تقریباً آدھا راستہ طے ہو چکا تھا لیکن وہ خاموشی سے محض گاڑی چلانے میں مصروف تھا، پتہ نہیں کیوں ارما کو اس کی سنجیدگی سے اچھی خاصی بکی محسوس ہو رہی تھی۔

”اس سے اچھا تھا فرید کے ساتھ چلی آتی، لیکن نانو کو بھی سوائے اس کے کسی پر بھروسہ نہیں ہوتا اور یہ..... کبھی تو کتنے دوستانہ طریقے سے بات کرتا ہے اور کبھی ایسا بدتمیز اور بد مزاج، لیکن مجھے کیا، میری بلا سے ساری زندگی بات نہ کرے۔“ وہ پوری طرح کھڑکی کے پار متوجہ ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

”لیکن یہ ایسا کیوں کر رہا ہے، آنکھوں پر کالا چشمہ لگا کر اور بھی اجنبی لگ رہا ہے، جب بندے کی آنکھیں نظر نہیں آتیں، کیسی بے گانگی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اس کی آنکھیں تواف، کتنا بولتی ہیں، کیوں ایسے دیکھتا ہے جیسے برسوں سے آشنا ہو، کوئی پرانا ہمد اور رفیق، دل کے ہر تار سے آگاہ، سب کچھ معلوم ہونے کا دعویٰ کرنی مبہم مسکراہٹ اور بھرپور اہمیت کا اظہار کرتیں گہری بادامی آنکھیں۔“ وہ اسی سے ناراض مسلسل اسی سے دل ہی دل میں ہمکا م تھی۔

”مجھے آپ کا گھر نہیں معلوم، سوری۔“ وہ بالکل ہی اچانک بولا تھا، ارما نے بوکھلا کر سر گھمایا۔

”جی.....؟“

”خدیجہ آئی نے کہا تھا آپ سیکٹر ایف میں رہتی ہیں جو کہ غالباً شروع ہو چکا ہے۔“

”اواچھا،“ ارما سیدھی ہوئی۔



”نی الحال سامنے ہی جاتا ہے، آگے میں بتاتی رہوں گی۔“ وہ ذہنی دھارے کو نائل کرنے میں قدرے کامیاب ہو گئی تھی۔

”گاڑی تو آپ بھی چلا لیتیں ہیں ناں؟“ پہلا باقاعدہ اضافی جملہ جو اس پورے سفر میں مبین کے لبوں سے ادا ہوا تھا، لیکن ارما کو زری بے عزتی معلوم ہوا، یعنی توڑ موڑ کر کہا گیا کہ جب خود ڈرائیو کر سکتی ہو تو مجھے کیوں تکلیف میں ڈالا۔

”گاڑی چلانا تو آتی ہے لیکن ابو اور نانو وغیرہ اکیلے کہیں آنا جانا الاؤ نہیں کرتے، ویسے میں تو فرید بھائی کے ساتھ آنا چاہ رہی تھی لیکن آج وہ چھٹی پر ہیں۔“ لگے ہاتھوں وضاحت بھی کر دی، مبین مسکراہٹ پر قابو پانے میں ناکام رہا لیکن شکر ہے وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی، یقیناً وہ اس کے روڈ لی ہیوئیر پر خوب تھاغی، یہ نامعلوم روکھا پن اس کی سمجھ سے باہر تھا، لیکن مبین مجبور تھا، خود برعائد کی پابندیاں اتنی سخت تھیں کہ لاکھ چاہنے پر بھی وہ اس خوبصورت ڈرائیو سے نہ خود محظوظ ہو سکا اور نہ ارما کی جلتی بھتی امید کی لو کو بڑھاسکا، بے دردی سے بس یہی سوچ پایا۔

”کاش آج یہ ناامیدی مکمل باپوسی میں تبدیل ہو جائے اور ارما اس کی طرف پلٹے اپنے دل کو بے اختیار ہونے سے بچالے۔“ پہلا لیفٹ ٹرن لینے پر جلد ہی اس کا گھر آ گیا، گاڑی سلور گیٹ کے سامنے رکی تو ارما نے ازراہ مروت سے اسے دیکھا۔

”آپ بھی آئے۔“ ”جی نہیں شکر یہ، مگر جا کر آرام کروں گا۔“ وہ بلاوجہ سی ڈیز پلٹنے لگا۔

”بے وقت زحمت دینے پر معذرت چاہتی ہوں۔“ ”اس کی ضرورت نہیں ہے ارما، اس

اوکے۔“

”ضرورت تو ہے ناں۔“ ارما نے گہری سنجیدگی سے کہا تو پہلی مرتبہ مبین نے اسے سراٹھا کر دیکھا۔

”آپ نانو کے ہاں مہمان ہیں، یہ زحمت سراسر زیادتی ہی تو ہے۔“ وہ بنا جواب سے اتر کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی اور مبین نے ایک گہری سانس لے کر گاڑی آگے بڑھا دی، پلیئر ایک مرتبہ پھر خود بخود آں ہو گیا۔

کیوں جھوٹے سے پریت لگائی کیوں چھلپے کو میت بنایا کیوں آندھی میں دیمپ چلایا میں تو تم سنگ نمین ملا کہ ہار گئی جہاں

☆☆☆

”ابو کو اتنا مہربان بھی نہیں ہونا چاہیے، آخر کو دادا ابا ان سے تھا ہو کر دنیا سے گئے ہیں۔“ ارما نے پاس بیٹھی صبا سے سرگوشی کی۔

”ہاں لیکن اب تو صبح ہو گئی ہے۔“ صبا کو اس کا اعتراض پسند نہیں آیا۔

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن ابو کچھ ایسے شوکر رہے ہیں جیسے ہم صلح کرنے کے لئے مرے جا رہے تھے، ابھی ایک فاصلہ قائم رہنا چاہیے کم از کم شروع شروع میں۔“ ارما کی سوتلی اُمی جی ان بے جانا زخموں پر، ابھی شام کو ہی حسن بچا، رابعہ چچی اور سعدان کے ہاں آئے تھے، وہ تو اچھا ہو کہ ہند اسے کھانے کے بعد اسے کمرے میں لے گیا تھا اور ذرا دیر کو نجات مل گئی تھی دنور شوق لٹائی لگا ہوں ہے، جو سراسر اسے ابھمن اور کوفت میں مبتلا کرتی تھیں۔

گھر میں کچھ دنوں سے اس کی اور سعد کی شادی کی باتیں ہونے لگی تھیں، جنہیں سن کر وہ خوب چڑ جاتی تھی، اس رات بھی مہمانوں کے

جانے کے بعد صبا نے باقاعدہ سعد کا نام لے کر اسے چھیڑا تو وہ بری طرح خفا ہو گئی آمنہ نے دونوں کو بحث کرتے ہوئے تو قریب آگئیں۔

”اتنا غصہ اچھا نہیں ہے ارما، کیا برائی ہے سعد میں؟“

”امی مجھے وہ بالکل پسند نہیں ہے نہ ہی میں نے اس انداز میں بھی سوچا ہے سعد کے بارے میں۔“

”تو اب سوچ لو چندا، تمہارے ابو سعد سے تمہاری شادی کا کیا ارادہ کر چکے ہیں، شاید انہیں تمہارا انکار پسند نہ آئے۔“

”تو کیا وہ میری رائے کو اہمیت نہیں دے گے۔“

”شاید نہیں۔“ آمنہ نے دو ٹوک جواب دینا مناسب سمجھا۔

”تمہارے چچا کا اسٹیشن ہم سے کہیں اونچا ہے، پھر سعد کا عہدہ، نام، میں نے دیکھ لیا ہے، تمہارے باپ کو آج کل سوائے سعد کے کچھ بھائی نہیں دے رہا لیکن خیر..... اگر وہ ایسا سوچتا ہے تو تمہارا ہی اس میں بھلا ہے، بچوں کے اچھے مستقبل کی فکر کرنا ہر ماں باپ کا فرض ہے، پھر ایسی بھی کیا برائی ہے سعد میں۔“ وہ سمجھانے کے انداز میں اس پر ہر پہلو واضح کر گئیں۔

”لیکن امی! وہ کچھ عجیب سا ہے، کوئی بات ہے جو مجھے کھٹکتی ہے۔“ اسے کچھ یاد آنے لگا۔

”بس زیادہ مت سوچو، اللہ پاک اچھا ہی کرے گا انشاء اللہ۔“ وہ اسے تسلی دیتی اٹھ گئیں۔

☆☆☆

”ارے واہ بوا! بڑی خوشبو آ رہی ہے، آج کچھ خاص اہتمام ہے ناشتے میں؟“ وہ فریش ہو کر سیدھی کچن میں آگئی۔

”اٹھ گئیں بیٹا!“ بوا نے اپنی پرشفت مسکراہٹ سے نوازا۔

”منصور آیا ہے ناں اس لئے۔“

”اچھا..... ماموں آئے ہیں۔“ وہ چپکی۔

”کس وقت پہنچے، ابھی کہاں ہیں؟“

”رات کافی لیٹ پہنچا تھا، تم شاید سو چکی تھیں، ابھی جاگا ہے تو بی بی نے کہا ناشتہ بنانا شروع کر دوں۔“

”لائیں میں بھی آپ کی مدد کر دیتی ہوں۔“ وہ فوراً آگے بڑھی، بوا اچھے خاصے اہتمام کے موڈ میں تھیں، اکیلے کام نشتانا یقیناً بہت مشکل تھا۔

”پھر دو دن کے لئے آئے ہو، اتنی ساری لڑکیاں دیکھ رہی ہیں آمنہ اور نفیسہ نے، جانے کب کوئی فاضل ہوگی۔“ خدیجہ بیگم نے شکوہ بھری نگاہ منصور پر ڈالی، ارما قہر ماس رکھ کر خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔

”آپ بھی ناں اماں۔“ وہ بری طرح جھینپ گیا۔

”امی مرتبہ کہہ چکا ہوں آپ جسے چاہیں پسند کر لیں، مجھے منظور ہوگا، لیکن پلیئر مجھ پر نہ ڈالا کریں۔“

”جس طرح دو ملاؤں میں مرغی حلال نہیں ہوتی، یہی حال تمہاری بہنوں کا ہے، ایک لڑکی آمنہ کو پسند آتی ہے تو نفیسہ بیگم منہ بنانے لگتی ہیں اور جو اسے اچھی لگتی ہے اس پر آمنہ کو اعتراض ہوتا ہے، اچھا ہو کہ تم خود کسی کو فاضل کر دو، کم از کم کہیں بات تو طے ہو۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔“ اس نے نرمی سے ماں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

”آج تو آپ کو چیک اپ کے لئے لے جانا ہے ناں، کل دیکھتے ہیں انشاء اللہ۔“



”ہاں بس ٹالتے رہو اسی طرح۔“ وہ خفا خفا سی پلیٹ پر جھک گئیں۔

”آپ فکر نہ کریں نا، اس مرتبہ میں اور فریال بھی میدان میں اتر آئی ہیں، فریال کہتی ہے ہماری ماؤں سے کچھ ہونے والا نہیں، اب ہمیں ہی کچھ کرنا ہوگا۔“

”ہاں بس تمہاری کمی تھی۔“ منصور نے چڑایا تو وہ ہنس پڑی۔

”مبین کہاں ہے اماں، ہمارے ساتھ ناشتے میں شامل ہوتا۔“ منصور کو اچانک خیال آیا۔

”ارے بہت لاپرواہ ہے کھانے کے معاملے میں، کچن میں کھڑے کھڑے دو گھنٹ چائے پی کر چل پڑتا ہے، ابھی نیچے آنے والا ہے تم ہی سمجھاؤ ذرا۔“ وہ اسے بتانے لگیں اور اراما پنا کپ لئے وہاں سے اٹھ گئی، جانے کیوں مبین کے نام پر محسوسات بہت عجیب ہونے لگتی تھیں۔

☆☆☆

”اُف میرے خدا، جانے کیا سوچتی رہتی ہے یہ لڑکی، سر پر دھوپ پڑ رہی ہے لیکن اسے کچھ ہوش ہی نہیں۔“ تھوڑی دیر پہلے ہی منصور سے فون پر اس کی بات ہوئی تھی، وہ خدیجہ حیات کو لے کر ہاسٹل گئے ہوئے تھے، مبین کو معلوم تھا کہ گھر پر اس وقت اراما اور یوا اکیلی ہیں، لیکن پہلی حیرت اسے کھلا گٹ دیکھ کر ہوئی، اس نے گیٹ بند کیا تب بھی اراما کو خبر نہیں ہوئی، مبین نے ہاتھ میں پکڑی فائلز پورچ میں رکھے بڑے گیلے کے کنارے پر نکائیں اور لان میں داخل ہو گیا محترمہ تب بھی بے خبر تھیں۔

”آپ ٹھیک تو ہیں؟“ اس نے قدرے جھک کر بات کا آغاز کیا تو اراما حقیقتاً بوکھلا کر اٹھی۔

”جج..... جی..... السلام علیکم!“ اس نے بشکل خود کو سنبھالا۔

”علیکم السلام! منصور بھائی وغیرہ تو کافی دیر ہوئی چلے گئے ہیں آپ نے گیٹ بھی بند نہیں کیا۔“

”بس خیال نہیں آیا۔“ وہ شرمندہ سی نیچے دیکھنے لگی، مبین نے سنجیدگی سے کچھ دیر بغور اس کی کیفیت کا جائزہ لیا۔

”بیٹھ جائیں۔“ وہ بے تکلفی سے کہہ کر خود بھی سامنے رکھی چیئر پر بیٹھ گیا، اراما بھی کسی معمول کی طرح سامنے ٹپک گئی۔

”سوچ بچار شروع سے آپ کی عادت ہے یا آج کل ذرا زیادہ۔“ وہ پہلی مرتبہ مسکرایا لیکن اراما خاموش رہی، اس کی جھجک بجا تھی لیکن مبین کا سوال بھی غلط نہیں تھا، بھلے وہ اس سے بے تکلف نہیں تھا بلکہ کچھ دنوں سے تکلف کی اس دیوار کو مزید اونچا کرنے کی کوشش بھی کر رہا تھا لیکن اگر وہ واقعی پریشان تھی تو یہ بھی مبین کی برداشت سے باہر کی بات تھی کہ چپکے چپکے اسے جلنے کڑھنے دیتا، پھر وجہ بھی نامعلوم۔

”ہمیشہ کسی نہ کسی کام میں مگن رہنے والی پیاری سی لڑکی اب جانے خلاؤں میں کیا ڈھونڈ رہی تھی۔“ مبین نے بہت سنبھل کر جیلے کا انتخاب کیا۔

”آپ کسی الجھن میں لگتی ہیں، برانہ مانیں تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں آپ کیوں پریشان ہیں؟“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟“ وہ چونک گئی۔

”آپ کے چہرے پہ لکھا ہے۔“  
”آپ کو چہرے پڑھنا آتا ہے؟“ اب اس نے حیرت سے دیکھا۔

”پتہ نہیں، لیکن آپ کو دیکھ کر لگتا ہے جیسے۔“ وہ رکا۔

”جیسے آپ کنفیوژ ہیں۔“  
”اچھا۔“ وہ پھیکا سا ہنسی اب اور کہتی بھی کیا۔

”میرا مشورہ تو یہ ہے کہ اپنی سوچوں کو آزاد چھوڑ دیں، ذہن پر سکون ہوگا تو حل خود بخود نکلتے آئیں گے۔“ وہ روانی سے بولے گیا تو اراما ایک بار پھر حیران ہو گئی۔

”تو کیا آپ کو یہ بھی پتہ ہے کہ میں کیوں پریشان ہوں۔“

”اوہ نہیں۔“ مبین بے ساختہ ہنسا۔  
”پتہ ہوتا تو آپ سے کیوں پوچھتا، ویسے بھی مجھے تو لگتا ہے، ابھی آپ پر بھی یہ واضح نہیں کہ آپ کیوں الجھن میں ہیں، پہلے آپ تو سمجھیں اپنے دل کی بات مجھ تک پہنچتے تو وقت لگے گا۔“ اس بار مبین نے سنجیدگی سے وضاحت کی تو جانے کیوں اراما کی پلکیں پانی سے بوجھل ہو گئیں، سامنے بیٹھا شخص اسے یوں اس کے بارے میں بتا رہا تھا جیسے کتاب کھلی ہو، اس نے بہت بے بسی محسوس کی جبکہ مبین اس کی ہلکی پلکیں دیکھ کر از حد گھبرا گیا۔

”سوری، اگر میری کسی بات سے آپ کا دل دکھا ہو، میں تو صرف یہ چاہ رہا تھا کہ.....“ الفاظ اس کے منہ میں رہ گئے، اراما ہتھیلیوں میں چہرہ دے کر اور بھی شدت سے روئے لگی۔

”ارے پلیز..... روئیں تو مت۔“ مبین نے چہرے پہ رکھے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ سے ہٹانا چاہا تو وہ جھٹ پیچھے کو ہوئی اور خود ہی اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں، اس کی جگت پر مبین کو ہنسی آ گئی۔

”چلو، اگر اس برسات کو روکنے کا یہی

طریقہ تھا تو میں پہلے ہی ہاتھ بڑھا دیتا۔“ جانے کیا سوچ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”تھوڑی واک کر لیں؟“ مبین نے تائید چاہی لیکن وہ یونہی بیٹھی رہی۔

”آئیں بھئی۔“ بالکل ہی بے ساختہ اس نے ہاتھ آگے کیا اور اراما فوراً کھڑی ہو گئی۔

”آپ سے بات منوانا تو بڑا ہی آسان ہے، یعنی جب بھی آپ بات نہ مانیں تو آپ کی طرف ہاتھ بڑھا دوں۔“ وہ ہنسنے ہی گیا اور اس بار اراما بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی، مبین کا مقصد بھی اس کی ذہنی رو تبدیل کرنا تھا، دونوں کچھ دور تک خاموشی سے چلتے چلے گئے۔

”تو..... موسم کی بات کریں؟“ مبین نے خاموشی توڑی۔

”سنا ہے جب بولنے کو کچھ باقی نہیں رہتا تو بندہ موسم کی بات کرتا ہے۔“ اراما نے ہلکا سا طنز کیا تو مبین نے ہنس کر تائید کی۔

”تو ایک سنجیدہ بات پوچھوں؟“ اس نے اجازت طلب نظروں سے دیکھا تو جواباً وہ چپ ہی رہی۔

”ابھی روئی کیوں تھیں آپ.....؟“  
”وہ تو.....“ اراما گڑبگڑائی۔

”بس آپ مجھے میرے بارے میں ایسے بتانے لگے جیسے سب جانتے ہوں تو۔“  
”تو آپ کو رونا آ گیا۔“ اس نے شرارت سے جملہ جوڑا تو اراما کو ہنسی آ گئی۔

”نہیں، مجھے ویسے ہی رونا ذرا جلدی آتا ہے۔“

”بڑی ہی لڑکیوں والی عادت ہے۔“ وہ بے ساختہ بولا تو اراما مسکرا دی۔

”میں آپ سے ایک بات پوچھوں۔“  
”جی جی سو باتیں پوچھیں۔“



”آپ اس رات کچھ کہتے کہتے رک گئے تھے جب ہم شادی پر جا رہے تھے۔“  
 ”او۔“ مبین کچھ سوچنے کے لئے رکا۔  
 ”ایسی کوئی اہم بات نہیں تھی مجھے بھی اب ٹھیک سے یاد نہیں ہے۔“ اس نے صاف ٹالنے کی کوشش کی۔  
 ”پھر تو موسم کا ٹاپیک ہی ٹھیک تھا۔“ ارما نے رکھائی سے کہا تو مبین سمجھ گیا وہ برا مان گئی ہے۔

”ارما یہ جو ہم اس وقت ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، آپس میں باتیں کر رہے ہیں، یہ اس اعتماد اور بھروسے کا ثبوت ہے جو آپ کی نیکی والے مجھ پر کرتے ہیں، پھر بھی میں مانتا ہوں مجھ سے کچھ کوتاہیاں ہوتی ہیں جنہیں سدھارنے کی میں پوری کوشش کر رہا ہوں، میرا مشورہ ہے اگر کچھ باتیں دل میں رہ جائیں تو بہتر ہوگا۔“  
 ”یعنی کوئی بات تو ہے۔“ وہ بے ساختہ کہہ بیٹھی۔

”آپ جانتی ہیں یا جانتا چاہتی ہیں۔“ مبین مسکرایا تو ارما لا جواب ہو گئی کیونکہ وہ جانتی بھی تھی اور جانتا چاہتی بھی تھی۔

”اچھا ٹھیک ہے، آپ کچھ پوچھنا چاہتی ہیں تو آپ کو اجازت ہے، میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ آپ میری وجہ سے کسی پریشانی کا شکار رہیں، اگر آپ میری وجہ سے آج روٹی ہیں تو میرے لئے بہت تکلیف کی بات ہے۔“

”نہیں میرے رونے کا تعلق آپ سے نہیں ہے، بس آج کل میرے حالات ہی ایسے ہو گئے ہیں۔“ وہ حد درجہ افسردہ مبین کے دل کو کچھ ہوا تھا، ارما ضرور کسی بڑی الجھن میں تھی اور وہ جانے کیا کچھ بول گیا تھا۔

”آپ پلیر کھل کر بتائیں، شاید میں آپ

کے کسی کام آسکوں، کبھی کبھی اپنوں کی نسبت کسی غیر سے مشورہ کر لینا زیادہ بہتر ہوتا ہے، آپ یقیناً مجھے ایک مخلص دوست پائیں گی۔“ اس نے سادگی سے مشورہ دیا وہ اسے غیر تو ہرگز نہیں لگا، دل جانے کیا کچھ کہنے کو چل اٹھا لیکن ہوا تو بس یہ کہ اس نے معاملے کے ایک پہلو یعنی آدھی بات پر اکتفا کرتے ہوئے اپنی الجھن شیر کرنے کا فیصلہ کیا اور مبین تو تھا ہی ہمہ تن گوش۔

”میرے چچا زاد ہیں سعد اللہ، نیوروسرجن ہیں، ان لوگوں سے ہمارے تعلقات کئی سالوں بعد اب بحال ہوئے ہیں، اس سے پہلے ہم ایک دوسرے کو صورت سے بھی نہیں پہچانتے تھے، میرے دادا ابو نے محسن چچا کو پسند کی شادی کی جو سے عاق کیا تھا اور مرتے دم تک معاف نہیں کیا، اس لئے بڑا ہونے تک ہم بھی آپس میں ملے نہیں تھے لیکن ابھی سال بھر پہلے دادا ابا کی وفات کے بعد ابو اور چچا میں صلہ ہو گئی اور ہمارا آنا جانا شروع ہو گیا۔“ وہ ذرا دیر کو رکی۔  
 ”ہوں۔۔۔۔۔۔ ہوں۔“ وہ پوری توجہ سے سن رہا تھا۔

”وہ لوگ دو مرتبہ ہمارے گھر آئے لیکن میں چونکہ یہاں تھی تو ان سب سے مل نہیں پائی، اس روز میری دوست عصمہ کی شادی میں میرا پہلی بار سعد اللہ سے ملنا ہوا۔“  
 ”وہی دوست جس کی شادی میں آپ میرے ساتھ گئے تھے۔“ وہ چونکا۔

”جی اسی رات کی بات ہے، میرے لئے اس روز کی اتفاقی ملاقات بہت خاص تھی، ہمارے گھر اے برسوں ایک دوسرے سے دور رہے ہیں، باقی سب کی طرح میری بھی یہی خواہش تھی کہ ہمارے گھروں کا آپس میں ملنا جانا پھر سے شروع ہو جائے، میں سعد سے پہلے

تعارف کے لئے بہت بے چین تھی، لیکن مجھے حیرت ہوئی یہ جان کر کہ سعد بھی مجھ سے ملنا چاہتا تھا، اس کی طرف سے جو سپائس مجھے ملا وہ میری توقع سے بڑھ کر تھا۔“ وہ ذرا دیر کو رکی اور دھیان سے اس کی بات سنتے مبین کو لگا کہ ارما کی الجھن حل ہوتے شاید اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہونے والا ہے۔

”کیا اس رات کے بعد دوبارہ ان سے ملنا ہوا۔“ وہ پوچھے بتا نہ رہ سکا۔  
 ”جی دو تین مرتبہ ہم پھر بھی ملے ہیں اور۔“ وہ اٹک کر رکی۔  
 ”اور۔۔۔۔۔۔؟“

”اور ہر مرتبہ اس کی بے تابی میں اضافہ ہی دیکھا۔“ بالآخر اس نے کہہ دیا۔

”تو آپ پریشان کیوں ہیں، ان سب باتوں سے تو آپ کے لئے خوشی کے پہلو نکلتے ہیں۔“ اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

”میں بھی خوش تو بہت ہوں لیکن۔۔۔۔۔۔“ الفاظ اس کے منہ میں رہ گئے، کیونکہ مبین کا موبائل فون بجنے لگا تھا، وہ کال اٹینڈ کر کے معذرت کرتا تھوڑا دور چلا گیا اور جب تک وہ واپس آیا ہوا چائے لے کر لان میں آگئی تھیں، مبین خاموشی سے اپنا کپ لے کر اندر کی طرف بڑھ گیا اور وہ اپنے کپ سے اٹھتے دھوئیں کو دیکھتے ہوئے یہی سوچے گی کہ جو کہنا تھا وہ تو دل میں رہ گیا اور جو کہہ دیا وہ اپنے معنی اور مفہوم کے حوالے سے یقیناً کچھ سے کچھ ہو گیا تھا، مبین اب سعد کے لئے اس کے جذبات کے متعلق کوئی بھی نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب تھا۔

☆☆☆

”پہلو۔“ وہ ریموٹ لے کر چینلو تبدیل کرنے بیٹھی ہی تھی کہ فون کی بیل بجی۔

”اوہ تو سویٹ کزن آج گھر پر ہیں۔“ بے تکلف شوخ لہجے پر پہلے تو ارما خوب چوکی لیکن پھر سمجھ گئی کہ مخاطب کون ہے۔  
 ”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام! بھی بڑا نیک شگون ہے، اب تو میری آواز بھی پہچانے لگی ہو۔“ سعد نے بھی بھرپور خوشی سے کہا۔

”آپ نے مجھے کزن کہا، اس لئے پہچان گئی، ہمارے بس چند ہی گئے خنے کزنز ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اتنا فریگ نہیں۔“ ارما نے صاف گوئی سے واضح کیا۔

”چلو خیر، یہ بتاؤ، آج شام کو ڈنر کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”ڈنر۔۔۔۔۔۔؟“ ارما نے زیر لب دہرایا۔  
 ”باقی سب سے پوچھ کر بتاتی ہوں۔“  
 ”باقی سب کو تکلف دینے کی کیا ضرورت ہے؟ صرف تم اور میں چلیں گے۔“  
 ”جی۔۔۔۔۔۔؟“ ارما حقیقی حیرت سے چلائی۔

”آہستہ یار، ڈنر پر ہی لے جا رہا ہوں، کے ٹوپر تو نہیں۔“ وہ اس کی حیرت پر بھرپور انداز میں ہنسا۔

”خیر تم سات بجے ریڈی رہنا، میں تمہیں گھر سے پک کروں گا۔“  
 ”لیکن ایسے کیسے۔“ وہ بوکھلا گئی۔

”مجھے سب سے پوچھ لینے دیں، ابو کیا سوچیں گے۔“

”ابو جو سوچیں گے مجھے پہلے سے پتہ ہے۔“ وہ عجیب انداز میں ہنسا اور فون بند کر دیا۔

ارما نے امی کو بتایا اور ساتھ ہی اپنے نہ جانے کا عندیہ بھی دے دیا، وہ تو چپ ہو گئیں لیکن اعظم حسن نے گھر آتے ہی آمنہ سے کہا کہ شام کو ارما تیار رہے، سعد اسے باہر لے جائے گا،



آمنہ نے کہنے کی کوشش بھی کی کہ دونوں کا اکیلے جانا مناسب نہیں لگتا لیکن اعظم نے یہ کہہ کر چپ کرا دیا کہ وہ ان دونوں کی شادی کے لئے سیریس ہیں۔

”اچھا ہے اگر پہلے تھوڑی انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے۔“ ارمانے سنا تو بہت ناراض ہوئی لیکن آمنہ نے ہاتھ جوڑ کر اسے چپ رہنے کا کہا۔

”پلیز آج انکار مت کرو، پھر تمہارا کزن ہی تو ہے، ڈنر کر لینے میں کیا حرج ہے، شادی کی بحث کو آئندہ پر چھوڑ دو پلیز۔“ انہوں نے منت بھرے لہجے میں کہا تو ارمانے اثبات میں سر ہلا کر ماں کے دونوں ہاتھ تھامے۔

”او کے آپ پریشان نہ ہوں، میں تیار ہوتی ہوں۔“ وہ جانتی تھی کہ مزید ضدی تو ابو، امی سے جھگڑا کریں گے، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے بلا وجہ امی کو باتیں سننی پڑیں۔

ڈیڑھ دو گھنٹے بے مقصد سڑکوں پر گاڑی گھماتے سعد اللہ نے ڈھیروں ڈھیر باتیں کی تھیں، ارما کو حیرت ہو رہی تھی کہ وہ بنا اس کے رسپانس کی پرواہ کیے نہایت رومانٹک گفتگو کیے جا رہا تھا، حالانکہ صاف دیکھ رہا تھا کہ ارما ہرگز اس کی طرف مائل نہیں ہے، پھر بھی اس کی چھیڑ چھاڑ اور معنی خیز جملے بازی جاری تھی۔

ریسٹورنٹ پہنچنے تک ارمانے ٹھان لیا کہ اب چپ رہ کر سعد اللہ کو مزید بڑھاوا نہیں دے گی، اس لئے خود ہی بولنا شروع کر دیا، کھانے کے دوران اس نے سعد اللہ کے پروفیشن سے لے کر سیاست تک ہر بورنگ ٹاپک پر مسلسل اس کا سر کھایا اور سعد اللہ کے پاس سوائے اس کے سوالوں کے جواب دینے کے کوئی راستہ نہیں چھوڑا، واپسی کے سفر میں بھی وہی بولتی رہی، بالآخر سعد نے کہہ ہی دیا۔

”تم اپنی عمر سے تیس سال بڑوں والی گفتگو کرتی ہو، ذرا ایسے مزاج میں شوخی اور رنگینی پیدا کرو، جیسے باقی لڑکیاں ہوتی ہیں۔“

”او تو آپ کو ایسی لڑکیاں پسند ہیں۔“ ارما نے ہنسی اٹھائیں۔

”بھئی لڑکیاں تو شرارتی، لاپرواہ اور چنچل ہی اچھی لگتی ہیں۔“ وہ مسکرایا۔

”چلیں اللہ کرے آپ کو آپ کی پسند کے مطابق ایسی ہی پارٹنر ملے۔“ ارمانے گاڑی کے دروازہ کھولتے ہوئے دعا کے انداز میں کہا۔

”محبت بھی تو کروں گا۔“ وہ ایک ادا سے بولا۔

”یعنی جذباتی بلیک میلنگ۔“ ارمانے بے ساختہ کہہ کر بغور اس کی طرف دیکھا تو سعد نے قہقہہ لگاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

”تمہیں اچھی لگے گی یہ جذباتی بلیک میلنگ۔“

”میں اپنی بات نہیں کر رہی تھی۔“ وہ ایک دم نروس ہو گئی اور بنا مزید کچھ کہے باہر نکل آئی۔

”یہ تو بہت بد مزہ ہے۔“ وہ تیز دھڑکنوں پر قابو پاتے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

گھر والے جتنا اسے سعد کے قریب لانے کی کوشش کر رہے تھے خصوصاً ابو، وہ اتنا اس سے دور بھاگ رہی تھی اور جتنا زیادہ وہ ان دنوں مبین کے متعلق سوچ رہی تھی اتنا وہ ریزرو ہو رہا تھا، دو روز پہلے اس نے نانی امی سے بات کرنے کے لئے فون کیا تو کال مبین نے اٹینڈ کی، ارمانے کافی خوشدلی سے سلام دعا کا آغاز کیا، مبین نے آگے سے صرف اتنا کہا۔

”ایک منٹ میں ابھی آنی کو بلاتا ہوں۔“

ارما حیرت سے ریسپونڈ کر دیکھے گی۔

”ہو سکتا ہے مصروف ہو، یا کہیں جانے کی

جلدی ہو، لیکن وہ ایسا تو نہیں کرتا۔“ نہیں۔“ وہ اسی سوچ میں گم تھی جب نانوائی آگئیں، ارمانے ان سے وعدہ کیا کہ دو تین روز تک چکر لگائے گی۔

☆☆☆

”السلام علیکم نانوائی!“

”آؤ بھئی وعلیکم السلام! صبح سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔“ نانی امی نے پیار سے اس کی پیشانی چوم کر پاس بٹھایا۔

”ابھی یہی بات عظمت سے کر رہی تھی کہ ان دونوں نے میری عادتیں بگاڑ دی ہیں اب تم یا فریال نہ ہوں گھر میں تو مجھے مزہ نہیں آتا۔“

”کھانا لگاؤں ارما بیٹی!“ بوا اٹھنے لگیں۔

”نہیں بوا! اتنے جلدی تو بالکل نہیں، فی الحال چائے پینے کا موڈ ہے اور میں خود ہی بناؤں گی۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”آپ دونوں بھی لیں گی ناں؟“

”ہاں بنا لو، کھانا ہم بھی لیٹ ہی کھائیں گے، فی الحال نماز پڑھ لیں۔“ بوانے دو چائے نماز سامنے پھیلانے، ارما پکن میں آگئی، ابھی کیتلی چولہے پر رکھی تھی کہ گھر مکمل اندھیرے میں ڈوب گیا۔

”اوہ۔“ ارمانے ہونٹ سکیڑے۔

یقیناً لائٹ کافی دیر سے نہیں تھی اور یو پی ایس کام کر رہا تھا اور اب وہ بھی کام چھوڑ گیا تھا، اس نے ماچس جلا کر ایمر جنسی لائٹ چپک کی لیکن وہ بھی جارح نہیں تھی، ارمانے موم بتی جلا کر پہلے نانو کے کمرے میں رکھی اور واپس آ کر دوسری اپنے لئے جلائی، اسی وقت مبین پکن کے دروازے میں آیا، ارمانے سیدھا ہوتے ہوئے سلام بھانڈا۔

”علیکم السلام! ایک کینڈل چاہیے اگر ہو

تو۔“ عجلت بھرا سنجیدہ لہجہ۔

”جی ہے۔“ ارمانے فوراً ماچس اور کینڈل اس کی طرف بڑھائے۔

”آپ چائے پیئیں گے؟“ اس نے مڑ کر جاتے مبین سے سوال کیا۔

”ہوں۔“ مبین نے کچھ دیر سوچا۔

”سب کے لئے بن رہی ہے تو ٹھیک ہے۔“

”او کے پھر میں اوپر ہی لے آتی ہوں، بس پانچ منٹ۔“

”اوپر آنے کی زحمت نہ اٹھائیں، پانچ منٹ کی بات ہے تو میں باہر ویت کر لیتا ہوں۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ کر باہر نکل گیا اور ارما اس کو دیکھ کر مسکرا دی۔

”تو جناب ریزرو ہی نہیں ناراض بھی ہیں، خود کو ٹرائی اینگل کا تیسرا کونسا سمجھ کر پکچر سے نکلنے کی عملی کوشش کر رہے ہیں۔“ ارما جان گئی کہ اس روز کی ملاقات میں آخری جملے سے مبین نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہو گا، جس کا مظاہرہ اس کے سرد روئے سے صاف جھلک رہا تھا، اس کا رہا سہا شک جی دور ہو گیا، ہنسی روک کر وہ چند قدم آگے آئی۔

”باہر کافی اندھیرا ہے آپ یہاں اندر بیٹھ جائیں۔“

”ہوں۔“ وہ بنا مزید کچھ کہے اندر کی چھوٹی ٹیبل کے ساتھ بیٹھ گیا، چائے تیار تھی ارمانے پہلے دو کپ نانو اور بوا کے لئے ٹرے میں رکھے اور دروازے کی طرف بڑھی۔

”میں بس ابھی آئی۔“

ان دونوں کی چائے کمرے میں رکھ کر وہ فوراً واپس پلٹی، ارما نہیں چاہتی تھی کہ نماز سے فارغ ہو کر بوا اس کے پیچھے پکن میں آ جائیں،



فیصلہ کن انداز کے پیچھے اس کی دی کوئی تحریک تو ہرگز کارفرما نہیں تھی، تو کیا سعد کے حوالے سے اسے صحیح وہم لاحق ہوا تھا، شاید یہ اسی کا دیا اعتماد ہے، وہ سوچوں سے باہر نکلا۔

”گلتا تو ہے کہ آپ کی الجھن اب قدرے ذہنی سکون میں تبدیل ہو چکی ہے، کیا کچھ طے پا گیا ہے۔“

”میں نے ٹھیک سمجھا تھا آپ اندازے لگانے میں واقعی غلطی کر جاتے ہیں۔“ وہ مدھر انداز میں ہنسی، مبین اس شوخی کا مفہوم سمجھنے سے اب بھی قاصر تھا۔

”آپ چاہیں تو اس روز کی بات آج مکمل کر سکتی ہیں، اس دن سچویشن کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ میں پوری بات نہیں سن پایا تھا۔“

”اب اس کی ضرورت نہیں۔“ وہ کچھ مبہم سا مسکرائی، مبین کا دل حقیقی معنوں میں اوپر تلے ہوا، وہ خوش تھی اور خوشی کی وجہ کچھ بھی ہو سکتی تھی، اپنی کوتاہیوں کا ازالہ تو وہ بے حس کی چادر اوڑھ کر چکا تھا، رد کیے جانے والے ایسے خوش نہیں ہوتے، یقیناً وہ اپنا جھکاؤ کسی ایک جانب کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی اور ظاہر ہے جھکاؤ وہیں ہوا ہو گا جہاں سے اچھا رسپانس ملا تھا، مبین کو عجیب سی گھٹن ہونے لگی، جب فیصلے دل پر جبر کر کے کیے جاتے ہیں تو بے چینی اور گھبراہٹ یونہی دل میں ڈیرے ڈال لیا کرتی ہے۔

”جی..... آپ کچھ بتا رہی تھیں۔“

”شاید آنے والے دو تین ہفتوں میں میری اور سعد کی بات طے پا جائے۔“ جملہ تھایا دھماکہ، مبین کو لگا وہ پتھر کا ہو گیا ہے۔

لان کی ادھوری بات کو پورا کرنے کا یہی سب سے مناسب موقع تھا جسے وہ ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی، ارمان اپنا اور مبین کا کپ لے کر ٹیبل کے قریب آئی، وہ سامنے رکھی کینڈل کے پگھلتے قطروں سے کھیل رہا تھا۔

”آپ کو اعتراض نہ ہو تو کیا ہم یہیں بیٹھ کر چائے پی سکتے ہیں؟“ ارمان نے اجازت طلب انداز میں پوچھا تو مبین نے محض سر ہلا دیا، ارمان نے ٹرے سامنے رکھی اور چیئر پر بیٹھ گئی، مبین نے خاموشی سے کپ لبوں سے لگایا، ارمان نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا جو بالکل اس کی جانب متوجہ نہیں تھا یا نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”چہرہ پڑھنے کے لئے کینڈل کی روشنی کافی ہوگی؟“

”جی؟“ مبین نے چونک کر سر اٹھایا۔

”جاننا چاہتی ہوں اب وہ کنفیوژن دور ہوئی۔“

”میرے کہنے کا اتنا یقین ہے آپ کو؟“ اس نے نظریں ہنوز کپ پر جم رکھی تھیں۔

”چہرہ پڑھنے کی حد تک تو ہے۔“ وہ ہلکا سا مسکرائی۔

”یعنی؟“ وہ قطعاً نہیں سمجھا۔

”میرا خیال ہے چہرے تو آپ ٹھیک ٹھیک پڑھ لیتے ہیں لیکن اندازے لگانے میں غلطی کر جاتے ہیں۔“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟“ وہ حیران ہوا۔

”چلیں اس پر بعد میں بحث کرتیں گے، پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیں جو میں نے اپنی کنفیوژن کے حوالے سے پوچھا تھا۔“ وہ اس وقت کافی ایزی سچویشن میں بیٹھی تھی یہ اعتماد ہی مبین کو چونکانے کے لئے بہت کافی تھا، اس

(باقی اگلے ماہ)